عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

صفر المظفر ۱۴۲۵ھ / اپریل ۲۰۰۴ء

جلد دوم:
شمارہ: ۴

فہرست

عنوان	صاحب مضمون	صفحہ نمبر
اسلام اور سائنس	حضرت مولانا محمد اشرف ؒ	۳
اصلاحی مجلس	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ	۶
حفاظت قرآن مجید (قسط '۴')	ڈاکٹر سید سعید اللہ مدظلہٗ	۱۶
حج مبرور	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ	۱۹
سفرنامہ چین	انجینئر قیصر علی	۲۴
سلام مسنون	ماخوذ: اصلاح الاخوان	۳۱

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

اسلام اور سائنس

لوگوں نے اسلام کو چھوئی موئی کا پودا سمجھا ہے۔ کہ اگر اسلامی زندگی آ گئی تو گویا ان لوگوں کی زندگی دو بھر بلکہ ختم ہو جائے گی۔ آج کل جو تعلیم چل رہی ہے ایک تو وہ ہے جو اِن کے خیال میں معاش کیلئے ضروری ہے۔ مثلاً سائنس۔ دوسری قسم وہ ہے جو ایسے ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں جیسے ادب فلسفہ وغیرہ۔

اسلام سائنس اور ٹیکنالوجی کا مخالف نہیں۔ اسلام نے تو سائنسی علوم کے حصول کی انگیخت کی ہے۔ ہلکا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہمارے ہاں مذہب دین و دُنیا کے مجموعہ کا نام ہے اگر کوئی مسلمان سائنسدان انسانیت کی بھلائی کیلئے کوئی ایجاد کرے گا تو اس پر اس کو ثواب ملے گا۔

اس عالم میں دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے انسان اور دوسری ہیں چیزیں۔ اشیاء کے بنانے کا نام سائنس رکھ لو اور انسان کے بنانے کا نام اسلام رکھ لو۔ اگر چیزیں تو بنتی چلی جائیں اور انسان بگڑتا چلا جائے تو انسان کا زوال ہے۔ اسلامی تعلیم انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بنانے کے لئے آئی ہے۔ اگر انسان اسلام پر نہیں چلے گا تو ایسے مسائل پیدا ہو جائیں گے جن کو یہ انسان حل نہیں کر سکے گا۔

موجودہ دُنیا کے پورے معاشی اور سیاسی حالات کو دیکھو۔ پوری دُنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ آج یورپ اور امریکہ میں خاندانی زندگی نہیں ہے۔ انفرادی طور پر اخلاق باختگی کا تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ زندگی کی اعلیٰ قدریں ملیا میٹ ہوگئی ہیں۔

اسلام نے اخلاق کی تعلیم دی اور ہر ایک چیز کی حدود مقرر کیں۔ آقا و غلام کے حقوق، بادشاہ اور مزدور کے حقوق، زمیندار اور کسان کے حقوق۔ اسی طرح ہر طبقہ کے حقوق و حدود بتائے۔ جن کو اختیار کرنے سے ہر طبقہ اطمینان اور خوشحالی کی زندگی گزار سکتا ہے۔ انسان کو صحیح معنی میں انسان بننے کے لئے اسلامی زندگی اختیار کرنا ہوگی۔ انسان کو انسانی زندگی انسان کے رُخ سے گذارنے کے لئے اسلام کی ضرورت ہے۔ اور اسلام وہ جو قرآن و حدیث میں ہے اور

جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔ بقول لیو پولڈ (نومسلم اسد) کے: انسان کو ہواؤں میں پرندوں کی طرح اڑنا آ گیا، سمندر میں مچھلی کی طرح تیرنا آ گیا لیکن زمین پر انسانوں کی طرح رہنا نہیں آیا۔ یورپ اور امریکہ والوں نے ہر رُخ سے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال لیا ہے۔

اسی طرح انسان کی تعلیم کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں انسان چیزوں سے استفادہ کرتا ہے مثلاً زمین سے چیزوں کا نکالنا وغیرہ۔ جہاں تک چیزوں سے استفادہ کا تعلق ہے اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب نے چیزوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی ترغیب نہیں دی۔ کسی مذہب نے چیزوں کے استعمال کے بارے میں اتنی سہولتیں اور اجازتیں نہیں دی ہیں جتنی اسلام نے دی ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ سائنس کو کافر نہ چھوڑو بلکہ سائنس کو بھی مسلمان بناؤ۔ اسلام سائنس مین اتنا تغیر لانا چاہتا ہے کہ اس کو آئینہ معرفت الٰہی بنا دے۔ سائنس فطرت کے قوانین کے مطابق چلتی ہے۔ اگر فطرت کے قوانین ادلتے بدلتے جائیں اور ٹوٹتے چلے جائیں تو ان کا باپ بھی ایک قدم نہیں چل سکتا۔ یوں نہ کہو کہ یہ فطرت کے قوانین ہیں بلکہ یہ کہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے قوانین ہیں۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۝ سورۃ یٰس۔ آیت ۳۸

ترجمہ: یہ اندازہ باندھا ہوا ہے (اس خدا) کا جو زبردست علم والا ہے۔

سائنس کی ہر چیز کو جب جوڑو اور توڑو تو یوں نہ کہو کہ یہ فطرت کے قوانین ہیں۔ بلکہ یہ کہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے قوانین ہیں۔ بنتے ہوئے کو نہ دیکھو بلکہ بنانے والے کو دیکھو۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ط سورۃ النمل۔ آیت ۸۸

کہ یہ کاریگری ہے اللہ تعالیٰ کی جس نے ہر چیز کو کمال صنعت کے ساتھ بنایا۔

ایٹم کے دل کو چیرو تو اس میں نظام شمسی ہے۔ اگر یہ نظام شمسی ٹوٹ جائے تو تباہی مچا دے۔ یہ سب کچھ کسی مدبر کا بنایا ہوا ہے۔ ایک دوسو روپیہ کی گھڑی ہے۔ آپ ۵ ہزار روپیہ کی گھڑی

لے لیں تو کتنے سال کی گارنٹی ہوگی۔ سورج کو دیکھو، سورج ۲۰ نومبر کو دُنیا میں جس جگہ سے جس وقت نکلا تھا۔۱۰۰۰ سال پہلے بھی اس وقت اسی جگہ سے نکلا، اور ۱۰۰۰ سال بعد بھی وہیں سے نکلے گا۔ کیا یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے (Is it a mere Accident)

سورج چاند ستارے ہزاروں سال سے ایک مدار میں تیر رہے ہیں لیکن ان میں کبھی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ کس نے ان کو تھام رکھا ہے؟ ایک اللہ تعالیٰ نے ان کو تھام رکھا ہے۔ یہ آسمان میں ٹکے ہوئے نہیں بلکہ ایک فضاء بسیط میں سب تیرتے چلے جا رہے ہیں۔ سورج کبھی چاند سے نہیں ٹکرایا۔ ہر ایک اپنے اپنے مدار میں چل رہا ہے۔ ایسے کروڑوں ستارے ہیں۔ جو ہماری نگاہ میں نہیں ہیں۔ کون ان کو چلا رہا ہے؟ ہماری ناک، کان، آنکھ، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی دلیلیں ہیں۔

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ o سورۃ الذاریات۔

اور خود تمہاری ذات میں بھی، اور کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ نمبر ’۳۲‘ سے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیس (۲۰) پھر ایک اور شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیس (۳۰) (مشکوٰۃ شریف)

یعنی فقط السلام علیکم سے دس نیکیاں ملیں۔ علیٰ ہذا ورحمۃ اللہ سے دس اور بڑھ گئیں اور وبرکاتہ سے دس اور بڑھ گئیں۔ یہ مذکورہ حکم سلام کہنے والے کا ہوا۔ اگر جواب دینے والا یہی طریقہ اختیار کرے یعنی جواب میں بھی فقرہ بڑھادے تو دس نیکیاں زیادہ ہوجائیں گی۔

۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل وہ ہے جو السلام علیکم کہنے میں پہل کرے (ترمذی)

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب گھر آؤ تو گھر والوں کو سلام کہو اور جب گھر سے نکلو تو سلام کہتے ہوئے وداع کرو (مشکوٰۃ) (ماخوذ: اصلاح الاخوان)

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

اصلاحی مجلس

مزہ ایک نفسانی ہے اور ایک روحانی ہے۔ نفسانی مزے کون کونسے ہیں؟ نفسانی مزے کھانے پینے کے مزے ہیں، زبان کا ذائقہ، آنکھ کا ذائقہ، کان کا ذائقہ، جنسی ذائقہ۔ تو جگہ جگہ نفس کے اندر مزے ہیں۔ کوئی لوگ کان کے مزوں کے عاشق ہو جاتے ہیں اور ساری چیزوں کو چھوڑ چھاڑ کر دن رات ڈھول باجے والوں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔ ہمارے ایک رشتہ دار تھے اُنھوں نے اپنی دوکان، کاروبار سب کچھ لُٹا کر ڈھول باجے والوں کی نذر کر دیئے تھے۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کے ایک خاص مرید ہوتے تھے، اُن کا بھائی باڑہ میں ایک چرسی پیر کے ہتھے چڑھ گیا۔ اُس کو پکڑنے اور تلاش کرنے کے لیے اس کے بھائی باڑہ گئے تو وہ وہاں اُس چرسی پیر کی درگاہ میں ملا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ پیر رباب بجا رہا تھا اور اس میں ایسی کشش تھی کہ اگر سُننا حرام نہ ہوتا تو میں اُس سے کہتا کہ آپ ہمیں دوبارہ سنائیں۔ ان کے بھائی پر ایسا جادو کیا ہوا تھا کہ بس یہ گھر میں ٹِک نہیں سکتا تھا، دوڑ کر اُس کے پاس پہنچتا تھا۔ تو کوئی کان کے ذائقے میں پھنسا ہوا ہے۔ ایسے ہی آنکھ کا ذائقہ ہے، زبان کا ہے، بیاہ شادی کا ذائقہ ہے، بڑا بننے کا ذائقہ ہے کہ ہم ممبر ہو جائیں، وزیر ہو جائیں۔ اپنا سارا کمایا ہوا اُس پر خرچ کر دیتے ہیں۔ کمانے میں کتنی تکلیف اُٹھاتے ہیں اور جب مال آ جاتا ہے تو مال کو بے دریغ جاہ پر خرچ کرتے ہیں، سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔

ہمارے ایک حاجی صاحب تھے، خود تو سینٹر بن گئے اور چھوٹے بھائی کو اُنھوں نے قومی اسمبلی کے الیکشن کے لیے کھڑا کیا۔ کسی نے بتایا کہ دو کروڑ روپے خرچہ ہوا ہے اور ہار گئے ہیں۔ جب وہ ہارے تو اپنے مخالف پر مقدمہ قائم کیا۔ ماشاء اللہ حاجی صاحب بڑے ہوشیار تھے اگر دو کروڑ روپے انھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کئے ہوتے تو اُن کے ہاتھ اُٹھانے پر (دعا کرنے پر) لوگوں میں حکومتیں تقسیم ہوتیں۔

ایک آدمی نے حضرت بوعلی قلندرؒ کے سامنے آکر شکایت کی کہ بادشاہ کے فلاں کارندے نے مجھے یہ تکلیف پہنچائی ہے۔ تو اُنھوں نے بادشاہ کے نام خط لکھا

بازگیر ایں عاملے بدگوہرے　　　ورنہ بخشم ملك تو بادیگرے

کہ تو اپنے اس نالائق عامل کو ٹھیک کر دے ورنہ تیرا ملک میں کسی دوسرے کو دے دونگا۔

تو ایسے اللہ تعالیٰ کے تعلق والے بندے ہوتے ہیں۔

خوارزم شاہ پر جب تاتاریوں کا حملہ آرہا تھا اُس زمانے میں حضرت مولانا رومؒ کے والد صاحب اس کے شہر میں رہتے تھے۔ اُن کی اتنی شہرت تھی کہ بادشاہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں یہ میرا اقتدار نہ لے لیں۔ تو اُس نے اپنے وزیر کو خزانے کی چابیاں دیکر اُن کے پاس بھیجا اور کہا کہ یہ اُن کے حوالے کردو۔ وزیر آیا اور اُس نے کہا کہ بادشاہ نے کہا ہے کہ یہ خزانے کی چابیاں ہیں آپ لے لیں۔ آپ سمجھ گئے کہ بادشاہ نے شریفانہ طریقے سے اس بات کی دھمکی بھیجی ہے کہ مجھے تجھ سے خطرہ ہوگیا ہے کہ تو میری حکومت کو لینے والا ہے اور اس لئے میں تمہارے ساتھ ہر کچھ کرسکتا ہوں۔ تو انھوں نے چابیاں واپس کرتے ہوئے پیغام بھیجا کہ آپ اُن کو کہیں کہ میں جمعہ کی نماز پڑھوا کر اور اپنے مریدوں سے مل کر اس علاقے کو چھوڑ کر چلا جاؤنگا۔ بادشاہ نے کہا کہ چلو اچھا ہوا آدمی سمجھدار تھا ہماری بات کو سمجھ گیا۔ پھر اُس کے وزیروں کا مشورہ ہوا کہ اگر یہ بزرگ جمعہ کی نماز کو ٹھہرے اور نماز کے بعد مریدوں سے کہا کہ میں اس وجہ سے اس علاقے سے باہر جارہا ہوں تو حکومت کے خلاف بڑی فضا خراب ہوجائیگی۔ اس لیے آپ ان سے کہیں کہ جمعے کی نماز سے پہلے ہی یہاں سے چلے جائیں۔ تو اُنھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے اور جمعے کی نماز سے پہلے ہی چلے گئے۔ اس علاقے کے جو ابدال تھے وہ اس انتظار میں تھے کہ تاتاریوں کو خوارزم شاہ پر چڑھانا تھا اور علاقے کی گُتراُکتری ہونے تھی اور جب تک یہ بزرگ وہاں پر تھے ان کی موجودگی میں اور اُن کے ہوتے ہوئے ان کی برکت کی وجہ سے یہ ہونہیں سکتا تھا۔ تو ان کو صحیح سالم بیچ میں سے نکالا گیا اور جونہی یہ اس علاقے کو چھوڑ کر گئے اور دوسرے علاقے میں جاکر منتقل ہوئے پیچھے سے حملہ آیا اور اتنا کُشت وخون ہوا کہ خوارزم شاہ کو علاقہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

تو ایسے اللہ تعالیٰ کے تعلق والے بندے بھی ہوتے ہیں۔ جس طرح ہم نے اپنا سب کچھ اپنی دنیا کے لیے قربان کیا ہوا ہوتا ہے مال، جان، عزت، آبرو، جان کو خطرات میں ڈالے ہوئے، سب کچھ کئے ہوئے ہوتے ہیں ایسے ان حضرات نے اللہ کے لیے سب کچھ قربان کیا ہوتا ہے۔ یہ سیاسی لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر تو نے آج فلاں جگہ پر جلسہ کیا تو مخالفین کہتے ہیں کہ تم سب کے وہاں سے جنازے اُٹھیں گیں۔ تو یہ کہتے ہیں کہ مرنا تو آخر ایک دن ہے ہی اور آج کا جلسہ اگر ہم وہاں نہ کریں تو ہمارا سارا سیاسی کیریئر ختم ہوجائے گا۔ لہذا آج ہم مرجائیں گے یا پھر جلسے کو کامیاب کر کے نکلیں گے۔ تو جان کو خطرے میں ڈال کر کام کرتے ہیں، اقتدار کی خاطر جان کی قربانی کی نیت کرتے ہیں، کہ جان اگر لگتی ہے تو لگ جائے ورنہ ہمارا کوئی سیاسی مستقبل نہیں ہے۔ ایک دفعہ یہاں ایک وزیر تھے اُن کو ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب نے چلہ کے لیے تیار کیا تو وہ

ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ میں اُن کو لینے کے لیے گیا کہ تبلیغ والوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ میں اُن کو وصول کرنے کے لیے گیا تو اُن کے والد صاحب مل گئے، اُنھوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہ ان کو کدھر لے جارہے ہو؟ میں نے کہا کہ ان کو چالیس دن کے لیے تبلیغ میں لے جارہے ہیں۔ تو اُس نے کہا کہ اوہو آپ تو اس کو ختم کرنے لے جارہے ہیں کہ جب یہ تبلیغ میں چالیس دن گزارے گا تو اپنے سیاسی میدان میں نہیں ہوگا اور لوگوں کے کام نہیں کریگا تو اس کا تو سیاسی کیریئر ختم ہو جائے گا۔ ماشاء اللہ اس کے والد صاحب تو بہت ہوشیار تھے کہ لوگوں کے کام سیاسی کیریئر بنانے کی نیت سے کررہے ہیں، جیسے کوئی آدمی کسی جمعدار سے کہے کہ تم میری دس جریب زمین لے لو اور اپنا ٹین جس میں تم ٹٹی صاف کر کے رکھا کرتے ہو اور جھاڑو اور ساری چیزیں میرے حوالے کردو۔ تو خدمتِ خلق کا عمل اپنے سیاسی کیریئر کے لیے ہو رہا ہے سبحان اللہ جی کہ یہ کتنا ناقص فہم ہے کہ سیاسی کیریئر بنے اور پھر اس پر ووٹ ملے۔

میں ایک جگہ گیا تو اتفاقاً کچھ سیاسی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ اُنھوں نے ہمارا مذاق وغیرہ اُڑایا، اُنھوں نے کہا کہ آپ لوگوں نے جہاد میں کیا کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ جہاد میں ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ کوئی اشتہار کی چیز تو نہ تھی کہ ہم اُس کا اشتہار نکالتے اور تصاویر اُترواتے اور اخباروں میں آتا کہ فلاں چندہ دے رہا ہے اور فلاں کپڑا دے رہا ہے، فلاں اسلحہ دے رہا ہے۔ اور نہ ہی آپ کو بتانے کی ضرورت تھی۔ فرض کریں ہم نے کچھ نہیں کیا تو ہمارا تو کوئی دعویٰ بھی نہیں۔ ایک دفعہ ایک ڈاکٹر صاحب نے تین دن دیئے تو اُن کو وصول کرنے کے لیے میں گیا تو وہاں ایک سیاسی پارٹی کے آدمی بیٹھے ہوئے تھے اُنھوں نے کہا کہ آپ لوگ جہاد نہیں کرتے ، بُرائی کو دیکھ کر ہاتھ سے روکنا چاہیے اور نہیں تو آدمی زبان سے روکے، نہیں تو آدمی دل سے روکے اور دل سے روکنا تو سب سے ضعیف ایمان ہے۔ یعنی کہ تم ضعیف ایمان پر ہو اور ہم تم سے قوی ایمان پر ہیں۔ بندہ نے جواب دیا کہ ہمیں تو اس بات کا دعویٰ ہی نہیں کہ ہم تم سے قوی ایمان پر ہیں، ہمیں اپنی کمزوریوں اور کمیّوں کا احساس ہے اپنے ضُعف کا احساس ہے کہ ہمارے اندر ساری کمّیاں ہیں۔ میں اُن سے بحث میں نہیں اُلجھا، تو اُنھوں نے دوسرا راؤنڈ لیا، جیسے باکسنگ میں ایک راؤنڈ ہو کر پھر دوسرا راونڈ ہوتا ہے۔ تو اُنھوں نے کہا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟ کچھ نہیں کرتے ہیں کہ آپ لوگ کمزور ایمان والے ہیں تو میں نے کہا کہ ہم نے تو کبھی دعویٰ ہی نہیں کیا قوی ایمان کا۔ ہمارا ایمان کمزور ہے، ہم اُس کو درست کرنے کی کوشش کررہے ہیں، آپ ہمارے لیے دعا کیا کریں۔ اُس نے تیسرا راونڈ لیا تو پھر اُس کو اندازہ ہوا کہ یہ آدمی بالکل بحث میں اُلجھ

نہیں رہا۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب نے بسترہ تیار کرلیا۔ میں نے کہا کہ آؤ ڈاکٹر صاحب کہ جائیں اور اُس سیاسی شخص سے کہا کہ آپ ہمارے لیے دعا کیا کریں۔ تو اُس آدمی کو بالکل اندازہ ہوگیا کہ یہ آدمی بحث میں اُلجھ نہیں رہا۔ تو ہمارا دعویٰ ہی نہیں ہے کمال کا۔

تو بڑا بننے کا ایک جذبہ ہے اور ساری عمر کی کمائی آدمی لُٹاتا ہے تاکہ بڑا بنے کہ جب تو دین کا کام کریگا تو اُس سے لوگوں میں مقبولیت ہوگی، وہ تیری ساری چیزوں کو پیسے سے خریدنے کی کوشش کریں گے، تجھے شکرانے پیش کرکے، پیسے دیکر، اپنے کاموں کے لیے تیری وجاہت کو، حیثیت کو استعمال کرنے کی کوشش کرینگے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہوگا کہ اگر اس جگہ پھنس گیا تو بس پیسہ ہوجائیگا لیکن تعلق مع اللہ نہیں رہے گا۔ تو پھر جب آدمی اس جگہ سے پار ہوتا ہے تو لوگ اس کی حیثیت اپنی سیاسیات کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم آپ کو ٹکٹ دے رہے ہیں، ہم آپ کو الیکشن میں کھڑا کررہے ہیں تاکہ اس کی حیثیت کو استعمال کریں اور اگر یہاں استعمال ہوگیا تو دنیا ہوگئی اور تعلق مع اللہ نہ رہا۔ تو اس ٹیسٹ کو آدمی جب پاس کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دین کا کام لیتا ہے۔ حضرت مولانا زکریاؒ نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ سہارنپور مدرسے میں مجھے اُستاد بنادیا گیا۔ میں وہاں پر تھا کہ حیدرآباد دکن سے مجھے خط آیا کہ اگر آپ ہمارے پاس آجائیں تو ہم آپ کو کوئی ساڑھے پانچ سو تک تنخواہ دیں گے جبکہ یہاں بیس روپے تنخواہ تھی۔ تو میں نے لکھا کہ میں نہیں آسکتا۔ پھر اُنھوں نے لکھا کہ ہم آپ کو تنخواہ کے ساتھ موٹر اور ڈرائیور بھی دینگے۔ پھر کہا کہ موٹر، ڈرائیور اور ساتھ پٹرول بھی دیا کرینگے۔ میں نے کہا کہ نہیں آسکتا۔ لیکن وہ قیمت بڑھاتے گئے یہاں تک کہ میں نے جواب میں ایک شعر اُن کو لکھا اور کوئی سرنامہ وغیرہ کچھ بھی نہ لکھا اور صرف یہ لکھا کہ ع

مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احسان ہوکر

پھر اس کے بعد اُنھوں نے میرا پیچھا چھوڑا۔ تو تب کہیں جاکر قطب الاقطاب بنے ہیں۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کی اتنی زمین تھی کہ سات گاؤں کے مالک تھے اور والد صاحب نے شوقیہ مجھے دینی علم پڑھایا تھا اور فارغ ہونے کے بعد مجھے یہ کہا تھا کہ سرائے کھیڑا ایک گاؤں ہے اس کی آمدنی تو لیا کر اور مدرسے میں پڑھاتا رہ تاکہ تنخواہ کی محتاجی نہ ہو۔ پھر فرماتے ہیں کہ وہاں تقریباً بیس یا پچیس سال تدریس کی۔ اُس کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے فرمایا کہ جس وقت تیرا دل مدرسے کی تعلیم و تعلّم سے فارغ ہوجائے تو پھر توکلاً علیٰ اللہ ہماری خانقاہ تھانہ

بھون میں آکر بیٹھ جانا۔ آپ نے والد صاحب کی میراث کا جو حصہ تھا وہ سب اپنے بھائیوں کو دے دیا اور سب چیزوں سے فارغ ہو کر بس خود اہلیہ مبارکہ کو لیکر آگئے اور تھانہ بھون میں بیٹھ گئے۔ دن رات ذکر وفکر، عبادت، تصنیف وتالیف، وعظ وتقریر کا کام کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا پالا اور ایسا رکھا ہے کہ بادشاہوں کی طرح۔ یہ ہمارے سلسلے پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمارے سلسلے والوں پر تنگدستی اور پریشانیاں نہیں آتیں۔ جان کی حفاظت کا غم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ بہت آسودہ اور عافیت سے رکھتا ہے۔ ایک دفعہ ہم راولپنڈی گئے، میرا خیال ہے کہ کوئی بھی ساتھی ساتھ نہیں تھا۔ وہاں جو حضرات تھے وہ بڑا زوردار دین کا کام کررہے تھے اور دونوں پستول لٹکائے ہوئے پھر رہے تھے۔ ہم تھوڑی دیر وہاں بیٹھے تو اُن دونوں نے پستول اُتارے اور ایک جگہ پر لٹکا دیئے۔ میں نے دل میں کہا کہ وہ جو ہمارے سلسلے کے ساتھ " **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** " (اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا) والا معاملہ ہے کہ اللہ ہی حفاظت کرنے والا ہے اُس کا ان پر بھی غلبہ ہوا اور اُنھوں نے اسلحہ اُتار کر رکھ دیا۔ سبحان اللہ

کہتے ہیں کہ وفات تک حضر تھانویؒ کو کسی بھی قسم کی کمائی کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی حالانکہ وہ اپنی صرف ایک کتاب کو خود چھپاتے اور خود بیچتے مثلاً تفسیر کو یا بہشتی زیور کو تو مال ودولت کے انبار لگ جاتے (اس تفسیر پر اور اسی بہشتی زیور پر کتب فروشوں نے خزانے بنائے ہیں) یہ جو آپ کی ایک ہزار تصانیف ہیں وہ اتنی بکّی ہیں کہ ان پر لوگوں نے دولتوں کے انبار جمع کئے ہیں۔ لیکن اُنھوں نے اتنا تک بھی نہ کیا کہ رجسٹریشن کر کے حق محفوظ کیا جائے کہ میری اولاد کو، میرے مدرسے یا میرے خاندان کو ملے بلکہ جو چھاپتا ہے اور جہاں سے چھاپتا ہے بالکل کھلی اجازت ہے، صرف یہ ہے کہ اس میں مضمون کی تبدیلی نہ کرے اور غلطیاں نہ کرے۔

تو سچ بات ہے کہ اہلِ دنیا بہت بیوقوف ہوتے ہیں، فائدے نقصان کو نہیں سمجھ رہے ہوتے۔ کہ میرا فائدہ کس میں ہے؟

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ٥

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنا ڈالا۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔

میں سوات میں گیا تو اُنھوں نے کہا کہ ایک مریض کو آپ سے ملوائیں گے کہ اس پر غور کریں اور اس کے علاج کی کچھ فکر کریں۔ اُنھوں نے جب ملایا تو میں نے پوچھا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ تو اُس نے

جواب دیا کہ میں ایک سائیکاٹرک (نفسیاتی دماغی) مریض ہوں میں نے کہا کہ آپ کرتے کیا ہیں؟ اُنھوں نے بتایا کہ اس طرح کا کاروبار ہے، ناظم ہے اور اس طرح یہ فیصلے کرتا ہے، جرگے کرتا ہے، پولیس والوں کو اس کے پاس آنا پڑتا ہے کبھی دھمکی اور گالی گلوچ بھی کر لیتا ہے، اُن کی بے عزتی بھی کر لیتا ہے، اُس کا پورا اقتدار ہے اور ڈی سی پر بھی اُس کا رُعب ہے۔ تو میں نے اُس سے کہا کہ تجھے کسی ڈاکٹر نے نہیں بتایا کہ تو نے اپنے آپ کو اتنی مصیبت میں ڈالا ہوا ہے اور تیری بیماری یہ کام ہیں۔ جس کو تو گولیوں سے ٹھیک کرنا چاہتا ہے تو اُس نے کہا کہ نہیں جی۔ کہ تیری بیماری کی ہسٹری کسی نے نہیں لی اور ہسٹری لیکر تشخیص کرنا اور پھر پرابلم کا روٹ کاز یعنی اُس کی جڑ بنیاد معلوم کرنا اُسکی تہہ تک پہنچنا اور دوائی کا عارضی سہارا دیکر اُس جڑ و بنیاد کو نکالنا وغیرہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ معاف کریں آپکی بیماری کی یہ تشخیص ہے اور علاج آپ کا یہ ہے کہ جب حکومت نے مقدموں کے لیے ایک محکمہ بنایا ہے تو اُن کو اپنا کام کرنے دو۔ جب حکومت نے پولیس کا محکمہ بنایا ہے ڈی سی وغیرہ اور عدالتیں بنائی ہیں تو آپ لوگوں سے کہیں کہ آپ وہاں پر جائیں میرے سر میں کیا درد ہے کہ میں لوگوں کے مسئلے حل کرنے کے لیے بیٹھوں کہ میں بڑا چوہدری ہوں اپنی چوہدراہٹ قائم کرنے کے لیے اور جذبہ جاہ کو مطمئن کرنے کے لیے، بڑا بننے کے لیے۔ لوگوں کا تو مقدمہ فیصلہ ہوا، اُن کو سکھ آسودگی ملی اور اُس کے نتیجے میں جذبہ جاہ میں اور کبر میں میں مبتلا ہوا اور حالت وصحت میری بگڑی تو اُس سے میں نے کیا فائدہ کمایا؟ مفت کا عذاب اپنے لیے لیا۔ لیکن انسان بے وقوف جذبہ جاہ کے پیچھے پڑتا ہے، جذبہ مال کے پیچھے پڑتا ہے، جبکہ نفس کے یہ مزے، عارضی اور فانی ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذکر وعبادت میں، اپنے تعلق میں، خدمتِ خلق میں، نیکی میں اس سے کہیں زیادہ مٹھاس اور حلاوت ومزے رکھے ہیں۔ اور یہ دولتیں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے تعلق والے بندوں کو دیتے ہیں۔ کہ دنیا دار عالم کی سب سے پہلی سزا یہ ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کو مناجات کی حلاوت سے محروم کر دیتا ہے۔ اللہ کے حضور ذکر کرنا، فکر کرنا، دعا ومناجات میں لگنا، عبادت میں لگنا اُس میں جو حلاوت اور جو مزہ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اُس سے لے لیتا ہے اور اُس کا اتنا لطف ہے کہ جان چلی جائے تو بھی آدمی کو پرواہ نہیں ہوتی، اتنا لطف ہے اُس کا۔ یہ روحانی مزے ہیں اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ بعد مجاہدات وکوشش کے جب آدمی نیکی کی کوشش کرتا ہے، اعمال کے لیے کوشش کرتا ہے، اعمال کو اپنی عادت بناتا ہے، بار بار کرتا ہے، اور تکلیف اُٹھا کر اعمال کرتا ہے، نفس کو اُس کے کرنے پر بار بار مجبور کرتا ہے یہاں تک کہ نفس عادی ہو جاتا ہے تو عادی ہونے کے بعد اُس کا مزہ اور حلاوت اُس پر کھلتے ہیں۔

جب پہلی مرتبہ آدمی نسوار کی چٹکی ڈالتا ہے تو کس قدر سر چکراتا ہے، اُلٹی آتی ہے، مزہ نہیں آتا لیکن عادی ہو جانے کے بعد اب اگر نسوار نہ ملے تو آدمی کام نہیں کر سکتا۔ بہت دفعہ آپ کو شیعہ ذاکر کا لطیفہ سنایا ہے کہ پٹھانوں کے علاقے میں کچھ لوگ شیعہ ہونے کو ہوئے تو ذاکر نے بڑی دردناک تقریر کی لیکن کوئی نہیں رُویا، تو اُس کو بڑا افسوس ہوا اور اُس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اتنے نازک حالات کیسے بیان کرتے ہیں کہ لوگ اس بات کو بہت محسوس کریں اور رُوئیں، تو جواب ملا کہ جب آپ کہیں گے کہ لوگوں کو چائے اور نسوار تک نہیں مل رہی تھی تو پھر لوگوں کو پتہ چلے گا کہ حالات بہت نازک تھے۔ تو اُس ذاکر نے اپنے اوپر حال طاری کیا اور رُویا دھویا اور پھر انتہائی غمگین شکل بنا کر کہا کہ ''کوئی ایسے ویسے مظالم تو نہیں ہوئے تھے بلکہ اس قدر ظلم ہوا کہ چائے اور نسوار تک ملنا مشکل ہو گئی تھی۔'' بس پھر تمام پٹھان اس بات پر روئے اور کہنے لگے اچھا اس قدر نازک اور گھمبیر حالات تھے کہ چائے اور نسوار بھی نہ ملتی تھی۔ تو نسوار میں مزہ آنے لگتا ہے، جب اس نے بار بار کیا اور اپنے نفس پر جبر کیا تو اب اس کا نفس اس کا عادی ہو گیا۔ تو قبیح چیز میں بھی آدمی کو لطف آنے لگتا ہے اور بدمزہ چیز میں مزہ آ رہا ہے۔ تو حقیقی رُوحانی چیز جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فی الحقیقت مزہ رکھا ہے اُس کو آدمی کر لے تو اس کے بعد اُس کا مزہ کھلتا ہے۔ نفس کو بار بار کرا کے اور اُس پر بوجھ ڈال کے اور اُس عمل کو بار بار کروائیں یہاں تک کہ نفس اس کا عادی ہو جائے۔ تصوف کا ایک حصہ فن ہے کہ نفس کو عادی بنانا اور اللہ تعالیٰ کا دھیان طاری ہو جانا اور باطن میں ذکر کا جاری وساری ہو جانا تو یہ سب تو ہم مشق سے کروا لیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا تعلق، وہ فن نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماتا ہے تو آدمی کو اپنا تعلق نصیب فرما دیتا ہے۔ آدمی کے دل میں ایک ذرہ بھی اللہ کے غیر کا خیال نہ آئے یہ مشق سے ہو جاتا ہے اور یہ فن ہے۔ کہ دل مکمل خالی ہو گیا اب اللہ تعالیٰ کے دھیان کے علاوہ کوئی دھیان نہیں آ رہا لیکن یہ معرفت اور تعلق مع اللہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مشق ہے۔ تعلق مع اللہ تو جس دن سے آدمی قبول ہوتا ہے اُس دن سے شروع ہوتا ہے۔ اور یہ مشق ہے کہ باطن میں وسوسہ نہ آئے اور گناہ کا خیال نہ آئے، اللہ تعالیٰ کے دھیان کے علاوہ دھیان نہ آئے، صحیح دھیان طاری ہو۔ پھر اس کے بعد جب آدمی اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول ہوتا ہے اُس دن سے ولایت کا دروازہ یعنی اللہ تعالیٰ کے تعلق کا دروازہ کھلتا ہے۔ ان ساری چیزوں میں نیت میں فرق آنے سے مردُود بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ سارا کچھ اور کمالات کے بڑے بڑے درجے حاصل کئے ہوئے مردُود ہو جاتے ہیں۔ ابلیس کے کتنے بڑے درجے تھے، سدرۃُ المنتہیٰ تک پرواز، ساری کائنات کا کشف، کائنات کے

ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک قدم میں پہنچنا اور اُس کے باطنی نظام کا دیکھنا، یہ ساری باتیں فن کے لحاظ سے اُس کو حاصل تھیں۔ لیکن فضلِ الٰہی شاملِ حال نہیں ہوا تھا یعنی قبول نہیں ہوا تھا۔ تو کتنی بلندی تک جانے کے بعد گر گیا۔

یہاں تک کہ مقاماتِ تصوف کو آدمی طے کر رہا ہوتا ہے، اُس کو یہ چیزیں حاصل ہو چکی ہوتی ہیں لیکن اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے یہ ہوتا مردُود ہے، قبول نہیں ہوتا۔ سارے کمالات اُس کو حاصل ہوتے ہیں محسوس ہوتے ہیں، دیکھتا ہے، اُن سے گزر رہا ہوتا ہے لیکن قبول نہیں ہوتا۔ تو اس لیے یہ جو اہلِ سلوک ہوتے ہیں انھیں ان باتوں کو محسوس کرنے کے بعد بھی باطن میں کبر اور شیخی نہیں لانا چاہیے۔ یہ کوئی گارنٹی نہیں ہے، کوئی یقین دھانی نہیں ہے کہ یہ چیزیں حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول بھی ہوں۔ (اس جگہ ایک آدمی نے سوال کیا) اخلاص اور سلوک میں کیا فرق ہے؟

جواب: سلوک تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا تعلق پیدا کرنے والے طریقے پر چلنا۔ سالک چلنے والا ہے اور سلوک چلنے کی ترتیب ہے۔ جو آدمی بیعت ہوا، اور جس آدمی نے اعمال شروع کیے اور اپنی اصلاح کے کام پر لگ گیا یہ سالک ہے۔ اور جو بزرگوں نے طریقے مُدّوِن کیے ہوئے ہیں اور لکھے ہوئے ہیں یہ سلوک ہے۔ اور اخلاص جو ہے وہ ان ساری چیزوں کا رضائے الٰہی کے لیے کرنا، کسی اور جذبے کے تحت نہ کرنا۔ اب ہندو جوگی بڑے بڑے مجاہدے کرتے ہیں، نفس کو مار دیتے ہیں، خواہشاتِ نفسانیہ کو کچل دیتے ہیں لیکن اُن کا جذبہ جوگی بننے کا ہوتا ہے جو کہ مافوق الفطرت سی شخصیت ہوتی ہے۔ جیسے کہ اولیاء اللہ کی کرامتیں ہوتی ہیں اس طرح کی چیزیں ظاہر ہونے کے حالات بنتے ہیں۔ کہ ہَوا میں اُڑتے ہیں، پانی پر چلتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ اُنھوں نے رضائے الٰہی کے لیے نہیں کیا ہوا ہوتا بلکہ بھگت اور بڑا جوگی بننے کے لیے کیا ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول نہیں ہوتے۔ پہنچے ہوئے ضرور ہوتے ہیں لیکن ایسے ہی جیسے بادشاہ کے محل میں ایک تو وزیر پہنچا، ایک مہمان پہنچا اور ایک ڈاکو پہنچا۔ مہمان کے لیے تو بادشاہ نے کھانے کا بندوبست کرنا ہوگا، وزیر کی ضروری باتوں کو سننا ہے اور ڈاکو پر اپنے چوکیدار کو جلدی سے فائر کرنے کا حکم دینا ہے۔ تو یہ جو اہلِ باطل ہوتے ہیں بڑے بڑے کارنامے آپ کو کر کے دکھا دیں گے۔ یہ پہنچے ہوئے ہیں ضرور لیکن جہنم تک۔ اور پہنچے ہوئے ہوتے ہیں دربارِ الٰہیہ میں لیکن ڈاکو بن کر، ان کے لیے فوراً قتل اور گرفتاری کا حکم ہونا ہوتا ہے۔ تو اس لیے ان سے ایک ذرہ بھی متاثر نہ ہوا کریں۔ آجکل ارشد صاحب شادی کی فکر میں ہیں، اُس کی خالہ نے کہا

ہے کہ ہمارے ایک پیر صاحب ہیں آپ اُنکے پاس چلے جائیں وہ پیر صاحب کہتے ہیں کہ اس کی تقدیر بند ہے اور کسی نے اس کو بند کیا ہوا ہے، یہ چینی اور پانی لیکر آئے ہم اس کو دم کریں گے پھر اس کو کھولیں گے۔ تو کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا پیر صاحب کیسے ہیں؟ اُنھوں نے بتایا کہ نماز وغیرہ نہیں پڑھتے ہیں، داڑھی منڈوائی ہوئی ہے لیکن بہر حال وہ پہنچ گئے ہیں، اب ان کو اس چیز کی ضرورت ہی نہیں رہی ہے اور نماز خانہ کعبہ میں پڑھتے ہیں۔ اُس کا جانے کا جذبہ ہو گیا تھا کہ چلو ٹھیک ہے کہ اگر بیوی یہاں سے ملتی ہے مجھ سے پوچھنے آیا تو میں نے جواب دیا کہ یہ تو زندیق ہے۔ تو اس کو بڑی حیرت ہوئی کہ زندیق تو میں نے بھی کہہ دیا تھا لیکن میں اندر سے بڑا ڈر رہا تھا کہ مجھے کچھ ہو نہ جائے کہ خالہ کہہ رہی تھی کہ آپ کو کچھ ہو جائیگا۔ تو میں نے کہا کہ برخودار جو شخص معصیت اور گناہ میں مبتلا ہو اور اُس کے درست ہونے کے شریعت و قرآن سے دلائل دے رہا ہو اور اُس پر قائم ہو تو زندیق اسی کو کہتے ہیں۔ کہ جو حقائق کو بدل کر اُن کی تشریح اپنے نفس کے مطابق کر رہا ہو۔

ایک ساتھی کی وفاقی محتسب کی فائل گئی ہوئی تھی۔ تو اُن کو کسی نے کہا کہ آپ بری امام پر چلے جائیں کہ وہاں فلاں آدمی بیٹھا ہے وہ پاکستان کا بڑا ولی ہے اُس سے وزارتیں اور حکومتیں تقسیم ہوتی ہیں آپ کا کام بھی ہو جائے گا۔ تو وہ سادہ آدمی وہاں پر چلے گئے جب وہاں گئے تو اُس شخص نے کہا کہ آپ کو تھوڑی دیر بعد بتائیں گے۔ تو وہ پیر صاحب دوسرے کمرے میں مراقبہ کرنے کے لیے گئے۔ اب مراقبے کا ایک ڈبہ ہے جس کے پیچھے تار لگی ہوئی ہے اُس کو کہتے ہیں ٹیلی فون۔ تو اُس نے ڈپٹی سیکرٹری اسٹیبلیشمنٹ ڈویژن کو ٹیلی فون ملایا اور اُسے کہا کہ فلانے کی فائل کا کیا ہوا۔ اُس نے جواب دیا کہ سر ابھی میرے سامنے پڑی ہوئی ہے اور وزیر اعظم سے دستخط ہو کر آ گئی ہے۔ بس وہ پیر صاحب یہ مراقبہ کر کے آ گئے اور کہا کہ شاہ صاحب کام ہو گیا ہے۔ ڈپٹی سیکرٹری صاحب نے ایم اے انگلش پشاور یونیورسٹی سے کی ہوئی تھی، اُس نے بتایا کہ فلاں آدمی نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے اس طرح سے بتایا تھا۔ ساتھی کو بتایا کہ اس طرح واقعہ ہوا تھا مگر وہ نہ مانے بلکہ کہا کہ تم وہابی قسم کے لوگ ہو اور تم لوگ تو بزرگوں کو نہیں مانتے ہو اور تمھیں اس بات کا نہیں پتہ ہے۔ کیا ہوا جو اُن کی شرعی صورت نہیں ہے، وہ تو قلندر ہیں، سب کچھ ختم ہو گیا ہے اور اب وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے ہیں۔

میں نے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ "نفس ساڑنا" ہزارے کی تصوف کی اصطلاح ہے کہ کھانا پینا چھوڑ کر وہ ایسے ہو جاتے تھے کہ جسم پر ہڈی چمڑہ رہ کر اپنا ہوش و حواس کھو بیٹھتے تھے۔ اُن کو کشف ہونے لگتا ہے کہ آدمی آیا اُس کا کشف ہو رہا ہے، تو لوگ سمجھتے تھے کہ یہ پہنچے ہوئے بزرگ ہیں حالانکہ پہنچے ہوئے نہیں

ہوتے۔ پہنچے ہوئے بزرگ تو صاحبِ شریعت ہوتے ہیں جن کے ہوش وحواس قائم ہوتے ہیں اور کبھی کوئی دعویٰ کی بات کرینگے ہی نہیں۔ اگر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ زندہ ہوجائیں اور آپ اُن کے پاس جائیں کہ یہ میرا فلاں کام ہے تو وہ کبھی بھی یہ نہیں کہیں گے کہ ہم نے کردیا، یا کروادیا، یا ہوگیا۔ بلکہ یوں فرمائیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ آسانی فرمائیں۔ اور یہ جنھوں نے دس سال تک استنجا نہیں کیا ہوا ہوتا ہے اور کہتے ہیں کردیا ہے، یہ ہوگیا اور وہ ہوگیا وہ اپنے لیے جہنم کے اونچے درجے تیار کررہے ہوتے ہیں اور سادہ لوح لوگ بیچارے تو ایسے ہی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے جاتے ہیں اور اعتقاد کی وجہ سے کام اُن کے بنتے رہتے ہیں۔ ورنہ حقیقت ان کے پاس قطعاً نہیں ہوتی۔

تو ہمیشہ توبہ کے ذریعے سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا، اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب کو حاصل کرنا، اور دعا کے ذریعے اپنے مسائل کو حل کرانا یہ آسان اور صحیح نسخہ ہے۔

☆☆☆☆☆

ملفوظات حکیم الامت

فرمایا: کہ قساوت یہ ہے کہ گناہ سے نفرت نہ ہو اور اطاعت سے رغبت نہ ہو۔

فرمایا: فقہی کتابوں میں تصوف ہی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے حلال اور حرام کی تمیز ہوگی۔ حلال اختیار کریں گے اور حرام سے بچیں گے تو اس سے نور پیدا ہوگا اور علم و عمل کی توفیق ہوگی اور اس سے قرب الٰہی نصیب ہوگا۔ یہی تو تصوف ہے۔

فرمایا کہ ہر کام سے پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ یہ دین اور دنیا میں مضر تو نہیں، دیکھئے کتنی جلد اصلاح ہوتی ہے

فرمایا کہ مقصودِ سلوک رضائے حق ہے اور اس کے بعد دو چیزیں ہیں، طریق کا علم اور اس پر عمل۔ سو طریق صرف ایک ہی ہے یعنی احکام ظاہرہ اور باطنہ کی پابندی۔ اور اس طریق کا معین دو چیزیں ہیں، ایک ذکر اللہ جس پر دوام ہو سکے اور دوسرے صحبت اہل اللہ کی کثرت، اور اگر کثرت کے لیے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اس کا بدل ہے۔ اور دو چیزیں طریق یا مقصود کے مانع ہیں، معاصی اور فضول میں مشغولی۔ اور ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے یعنی (شیخ کو) اطلاع حالات کا التزام۔ اب اس کے بعد اپنی اپنی استعداد ہے، حسب اختلاف استعداد مقصود میں دیر سویر ہو جاتی ہے۔ یہ ہے خلاصہ سارے سارے طریق کا۔

حضرت سید سعد اللہ مدظلہ

حفاظت قرآن مجید (قسط نمبر ۴)

معلمین قرآن کی تقرری:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید سکھانے اور اس کی تعلیم کو عام کرنے کے لئے قراء کرام کو مختلف نواح کی طرف بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو ان حضرات کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ فرمایا تھا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقبہ اولیٰ میں بیعت کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ارشاد فرمایا تھا کہ اہل مدینہ کو قرآن مجید پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں اور دین میں ان کی سمجھ پیدا کریں۔ مدینہ منورہ میں آپ المقری کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ (الطبری: تاریخ الامم والملوک ۲:۲۳۵) آپ ان کو نماز بھی پڑھایا کرتے تھے۔

جب آپؓ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپؓ حضرت سعد بن زرارہؓ کے ہاں ٹھہرے۔ حضرت سعد بن زرارہؓ ان کو انصار کے گھروں میں متعارف کراتے رہے۔ چنانچہ آپ ان کو قرآن مجید پڑھاتے اور اسلام کی طرف دعوت دیتے۔ انصار کی ایک بڑی جماعت نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ جن میں سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ وغیرہ صحابہؓ شامل تھے۔

آپ کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن ام مکتومؓ کو بھی روانہ فرمایا تھا (زاد المعاد ۲:۵۱) حضرت براءؓ فرماتے ہیں: **اوّل من قدم علینا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مصعب بن عمیرؓ و ابن ام مکتومؓ فجعلا یقرئنا القرآن** (صحیح بخاری ۲: ۷۳۶) ترجمہ: ”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے جو سب سے پہلے ہمارے پاس (مدینہ منورہ) تشریف لائے وہ مصعب بن عمیرؓ اور ابن مکتوم تھے۔ انہوں نے ہمیں قرآن مجید پڑھانا شروع کیا۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب صُفّہ میں سے ستر (۷۰) قاریوں کو اہل نجد کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ ان کو قرآن مجید سکھائیں جب وہ بیئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو انہیں ان لوگوں نے دھوکہ سے قتل کر دیا۔ (صحیح بخاری ۱:۴۴۹) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کے لشکر کا قاضی مقرر فرما کر روانہ فرمایا تو ان کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ اُن کو قرآن مجید پڑھائیں۔ (الاستیعاب۔ ۱:۲۳۸) جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو مکّے کا گورنر اور معاذ بن جبلؓ کو قرآن مجید کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا (الترتیب الاداریہ ۱:۴۲)

۱۰ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولیدؓ کو نجران کی طرف روانہ فرمایا۔ چنانچہ یہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے واسطے عمرو بن حزم بن زید انصاری کو جو کہ اُس وقت سترہ برس کے تھے گورنر مقرر فرمایا اور ان پر قرآن مجید کی تعلیم کی ذمہ داری ڈال دی۔ (الاستیعاب ۲:۴۳۷) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض حضرت کو قراء کے پاس روانہ فرماتے۔ چنانچہ ابرہیم بن جابر کو اسید بن حضیرؓ کے پاس بھیجا۔ (الاصابہ ۱:۱۱) اور ارزق بن عقبہ ثقفی کو خالد بن سعیدؓ کے پاس روانہ فرمایا تا کہ وہ ان کو قرآن مجید سکھائیں۔ (الاصابہ ۱:۲۷)

صدری حفاظت، تواتر اور تسلسل کے ساتھ:

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید ہمارے لئے سب سے آخری اور مکمل دستور العمل ہے۔ فلاح دارین سے متعلق کوئی ایسی بات نہیں جس کو قرآن مجید نے منضبط نہ کیا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** ترجمہ: ''اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ (دین کی) تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے''۔ اسی لئے مسلمانوں نے اولین توجہ اس کی تعلیم و تعلم کی طرف دی اور اس کی حفاظت کو سب سے مقدم اور اہم سمجھا۔ چنانچہ جب بھی وہ کسی علاقہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے یا کسی گاؤں یا شہر کی بنیاد رکھی تو ان کا سب سے پہلا اور اہم کام مسجد کی تعمیر ہوتا تھا۔ جس کے بنانے کا مقصد قرآن مجید کا حفظ اور اس کی تعلیم اور تعلم تھا۔ خواہ وہ نماز کے ذریعے سے ہو یا بغیر نماز کے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے مسجد قُبا کی بنیاد رکھی (ابو سعود نے اِس آیت ''لمسجد اسس علی التقویٰ من......اَوّل یَوْمٍ'' کی تفسیر میں کہا ہے ''یعنی مسَجد قُبأ اسَّسَہٗ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و صلّٰی فیہ اَیَّامَ مقامہٖ بقباء وھی یوم الاثنین و الثلاثاء و الاربعاء و الحمنیس یعنی آیت میں مذکور مسجد سے مراد مسجد قُبا ہے۔ جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی اور قُبا میں ٹھہرنے کے دوران اس مسجد میں نماز پڑھی۔ یہ پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کا دن تھا (ابوالسعود: تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم)۔ اور جب مدینہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ (الطبری۔ تاریخ الامم والملوک۔ ۲:۲۵۶) یہی طریقہ عہد رسالت سے قرن در قرن توارث کے طور پر چلا آتا ہے۔ چنانچہ ہر ہر زمانہ میں جس شہر یا جس گاؤں میں مسلمان بستے ہیں وہاں پر قرآن مجید کے سیکھنے اور سکھانے کے لئے مساجد اور اس کے علاوہ مستقل مدارس ہوتے ہیں۔

جہاں مسلمان اپنی اولاد کو قرآن مجید کے حفظ کرنے اور سیکھنے اور سکھانے کے لئے بھیجتے ہیں۔ خواہ وہ تندرست ہوں یا معذور قرآن مجید کے حفظ اور تعلیم و تعلم کے یہ ادارے مسلمان اپنے ذاتی اخراجات سے چلاتے ہیں، خواہ حکومت کی طرف سے اس میں انہیں مالی امداد ملے یا نہ ملے اور خواہ وہاں مسلمان اقلیت میں ہوں یا اکثریت ہیں۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی ایسا گھر نہیں جس میں شریف پردہ دار خواتین اُمّہات المؤمنین کی اقتدا کرتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت اور تعلیم و تعلم میں مشغول نہ رہتی ہوں اور بچوں اور بچیوں کو نہ پڑھاتی ہوں۔(وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃ (الاحزاب:۳۳) ترجمہ: ''اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے دنوں میں اور نماز کو قائم رکھو'' ''وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃ'' (الاحزاب۔۳۴) ترجمہ: اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور عقلمندی کی باتیں)

موجود دور میں ریڈیو سٹیشنوں سے قرآن مجید کی نشریات بھی اس کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے یہاں تک کہ غیر مسلم حکومتوں کے ریڈیو سٹیشنوں سے بھی قرآن مجید کی تلاوت نشر کی جاتی ہے۔

مذکورہ چند حقائق کو مدِ نظر رکھنے سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آگئی کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ'' کے مطابق متعدد طریقوں سے قرآن مجید کی حفاظت ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی جس کی بناء پر وہ تحریف سے محفوظ رہا اور تا قیامت محفوظ رہے گا اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہوئی اور پوری ہوتی رہے گی جس کی بناء پر نہ کسی دوسرے رسول یا نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت پڑی اور نہ قرآن مجید کے نزول کے بعد کسی دوسری آسمانی کتاب کے نازل ہونے کی۔

بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب ہے اور بغیر کسی شک و شبہ کے محفوظ ترین اور بے نظیر حیثیت کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقلمندوں کی اس جماعت میں شامل کرے جو حق بات سُن کر اُسے قبول کرتے ہیں اور اس کی پیروی کو فلاح دارین کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ **فَبَشِّرْ عِبَادِ o الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (الزمر: ۳۹، آیت ۱۸)**

ترجمہ: ''سو آپ میرے اُن بندوں کو خوشخبری سُنا دیجئے جو اس کلامِ الٰہی کو کان لگا کر سنتے ہیں اور پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں۔''

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

حج مبرور

پروفیسر ڈاکٹر انور صاحب ملنے تشریف لائے۔ باتوں باتوں میں تذکرہ آگیا کہ ہائی کورٹ کے دو جج صاحبان حج کے لیے گئے تھے، واپسی پر کسی نے ان سے حج کے تاثرات پوچھے جس پر انھوں نے جواباً انتہائی مغلظ طریقے سے کہا کہ بجائے حج کے اپنے ساتھ فلاں کام کرالیا ہوتا۔ اس پر بندہ کو بہت دکھ ہوا اور ایک تعبدی عمل کے بارے میں ایسی سطح کے لوگوں کا اس طرح کا بیان دینا دل کے مسخ ہونے کی اور شاید ایمان کے سلب ہونے کی علامت ہے۔ اتفاق سے اس سال ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۴ء بندہ کا حج پر جانا ہوا۔ گرد و پیش کا حال دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بعض ممالک کے لوگ تو فرض اور سنت پڑھتے ہی مسجد حرام اور مسجد نبوی سے باہر نکل جاتے ہیں اور ٹولیوں میں بیٹھ کر مجلسیں گرم کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ نہ دین کی تعلیم رکھتے ہوں اور نہ دنیا کی تعلیم تو انھوں نے سوائے فضولیات اور لایعنی کے اپنی مجالس میں اور کیا بحث کرنی ہے۔ ان سب حالات کو دیکھ کر طبیعت غور کرنے کی طرف مائل ہوئی اور یہ بات ذہن میں آئی کہ دوران حج مناسک حج کے مختصر اعمال اور پانچ فرض نمازوں کے علاوہ کوئی خاص اعمال مقرر نہیں ہیں۔ مناسک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جن اعمال کی یادگار ہیں ان اعمال کے پیچھے جو جذبات، احساسات اور فکر ہے اس کی معلومات اور ان کی ادائیگی کے وقت اس کا دھیان نہ ہونا جدید سوچ والے ذہن کے لیے ان کے فوائد کو نہ سمجھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ چنانچہ جس آدمی کی اپنی جگہ پر ذکر و عبادت کی اور دعا کی عادت نہ ہوئی ہو اس کا یہ وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ حج کے بارے میں مسائل اور مناسک کی بہت بلند پایہ کتابیں ہیں مثلاً حضرت مفتی شفیع صاحب کی ''احکام حج'' اور حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کی ''زبدۃ المناسک'' اور فضائل کے بارے میں حضرت شیخ مولانا زکریاؒ کی ''فضائل حج'' وغیرہ ۔ کچھ خوش قسمتوں کو ان کے پڑھنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ بندہ کو ایک ایسی تحریر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں حاجی کو ایک لائحہ عمل بنا کر دیا جائے اور اس سے اس بات کا مطالبہ کیا جائے کہ دوران حج اس لائحہ عمل سے گزر کر اور ان اعمال کی مشق کر کے اس نے اپنے آپ کو بنانا (reform) ہے، اور یہ سفر صرف سفر نہیں بلکہ اپنی تربیت کا ایک دورانیہ ہے جس کے ہر گھنٹے اور منٹ کو استعمال کرتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

حج کے سلسلے میں علاوہ مناسک کے جن اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں سب سے پہلے ہم آیت (فلا رفث ولا فسوق) کو لیتے ہیں اس آیت میں منفی اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ درحقیقت ہر چیز کے بارے میں جیسے مثبت باتوں کو حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے ایسے ہی منفی چیزوں کا ترک بھی واجب ہوتا ہے تب

اس کا پورا فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ علاج کے ساتھ پرہیز مقرر ہے اور اگر پرہیز نہ ہو تو علاج فائدہ نہیں دیتا۔ اس آیت میں رفث، فسوق اور جدال تین لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان میں سے فسوق کا لفظ ایسا ہے کہ جو اپنے معنی میں رفث اور جدال دونوں کو لیے ہوئے ہے پھر بھی لفظ رفث اور جدال کو علیحدہ کر کے بیان کیا گیا تاکہ ان کی اہمیت واضح ہو۔

لفظ رفث جنسی (sex) رخ کی ساری کوتاہیوں کو شامل ہے جس میں آنکھ کا غیر محرم کو دیکھنا، کانوں کا ان کی آوازوں کو مزے کے لیے سننا، ناک کا ان کی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہونا، زبان کا ان چسکوں کی باتوں کا تذکرہ کرنا، ہاتھ پیر یا جسم کے کسی دوسرے حصے کا جذبات شہوانیہ سے عورتوں کو چھو لینا اور دل کا ان کی طرف اشتہا کرنا، اس سے آگے بڑھ کر جنسی (sexual) رخ کے سارے عملی اقدامات شامل ہیں۔ اب حج میں ساری دنیا کا مالدار طبقہ جمع ہوتا ہے گویا پوری دنیا کا حسن و جمال یہاں جمع ہو جاتا ہے۔ حج کے دوران پورا وقت اس بات کی مشق کرنی ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا کسی بات میں حاجی ملوث نہ ہو جائے۔ اپنے باطن پر نگاہ رکھنی چاہیے، اگر طبیعت ان باتوں کی طرف مائل ہو رہی ہو تو حاجی کو سمجھ لینا چاہیے کہ باطن کتنا کمزور ہے اور اصلاح کی کس قدر ضرورت ہے۔ اپنی اس کمی کا غم ہو اور اصلاح کی فکر ہو۔ پورے حج میں نفس پر جبر کر کر کے اس کو ان ساری باتوں سے روکا جائے۔ کاملین مشائخ کو ڈھونڈ کر ان کے پاس بیٹھا جائے تاکہ باطن کی ظلمت چھٹے اور باطن میں نور داخل ہو اور نفس کے یہ منفی جذبات بدلیں۔ مرغن و مقوی غذا (گوشت انڈا وغیرہ) سے پرہیز کر کے نیز کثرت سے روزے رکھ کر شہوت کو توڑا جائے، تاکہ ان ایام میں باطن میں سکون رہے اور 'رفث' کی ساری صورتوں سے بچنے کے حالات ہوں۔ جوں آنکھ غیر محرم پر پڑے فوراً جھکا دے۔ غیر محرم کی جو تصویر قلب پر آئی ہو متبادل خیال میں مصروف ہو کر اس کو قلب سے دھویا جائے۔ اگر حال سدھر نہ رہا ہو تو مشائخ کاملین کو ڈھونڈ کر اور اپنا حال عرض کر کے اس کو درست کرنے کا مشورہ لیا جائے۔

دوسری بات 'ولا فسوق' ہے اس میں سارے گناہ داخل ہیں۔ ظاہر ہے کہ گناہ تو ہر وقت کرنا ناجائز ہے لیکن خاص خاص مقامات پر گناہ کرنا ان کی شدت کو اور زیادہ کر دیتا ہے۔ اس لیے دوران حج اور خاص طور سے دوران احرام ان سے سختی سے بچا جائے۔ نفس کی یہ عادت ہے کہ اگر اسے دلاسہ دے کر اس بات پر راضی کر لیا جائے کہ یہ پابندی تھوڑے وقت کے لیے ہے تو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ جیسے حکومتی اداروں کی طرف سے ہفتہ صفائی، ہفتہ خوش اخلاقی وغیرہ منائے جاتے ہیں، اس میں سارا عملہ کوشش کرتا

ہے کہ ایک ہفتے تک اپنے آپ کو ان چیزوں کا پابند کرے۔ نفس کی خصوصیت یہ ہے کہ کچھ دن کسی چیز کی پابندی کر لے تو اس کی عادت بن کر اس کے لیے وہ چیز آسان ہو جاتی ہے۔ اس لیے حج کا پورا دورانیہ مسلسل اس مشق مین گزارنا ہوتا ہے کہ اس دوران کوئی صغیرہ و کبیرہ گناہ سرزد نہ ہو۔ اس پابندی سے حج بھی حج مبرور بنتا ہے اور آئندہ کے لیے نفس بھی مطیع اور منقاد ہو جاتا ہے۔

تیسری بات ' **ولا جدال فی الحج** ' ہے یعنی حج میں لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔ حاجی ساری دنیا سے انتہائی لمبے سفر کر کے پہنچتے ہیں جس کی وجہ سے بہت زیادہ تھکے تھکائے ہوتے ہیں۔ جدہ پہنچ کر کسٹم اور امیگریشن کے عملے کی طویل چیکنگ سے گزرنے کی وجہ سے مزاج انتہائی چڑ چڑا ہو جاتا ہے۔ ہر آدمی کی اپنے علاقے میں ایک حیثیت ہوتی ہے لیکن حج میں پہنچ کر ساری حیثیتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، علاقے کی ساری قدر و منزلت وہیں رہ جاتی ہے۔ انتہائی رش کی وجہ سے ٹھوکر لگ جانا، پاؤں پر پاؤں آ جانا، کسی دوسرے کا آگے بڑھ جانا وغیرہ ساری باتیں جھگڑے پر ابھارتی ہیں۔ حضرات کاملین تو جب ایسے حالات میں اپنے نفس میں جھگڑا اور جدال کی کیفیت محسوس کرتے ہیں تو ان کو اپنی کمی کا شدت سے احساس ہوتا ہے، اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اپنے نفس کی کمی اور نقص پر آگاہی ہوئی۔ ان کو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے علاقوں میں جس خوش اخلاقی اور نرمی کا مظاہرہ ہوتا تھا وہ تو اس وجہ سے ہوتا تھا کہ گرد و پیش کے سارے لوگ اکرام اور احترام کا رویہ رکھتے تھے لہذا اپنی طرف سے بھی ان کے ساتھ خوش اخلاقی اور نرمی کا رویہ ہوتا تھا۔ خوش اخلاقی اور نرمی تو تب معلوم ہو جب ایسے حالات میں بھی اس پر قائم رہیں کیونکہ اللہ کی رضا کے لیے تو ان باتوں کا برتنا اس اجنبی ماحول میں ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس پر کوئی واہ واہ ہونے اور معاوضہ ملنے کی امید نہ ہو۔ اس لیے اس پورے سفر میں اپنے نفس کی شدت کے ساتھ نگرانی کرنی ہے اور اس کو زبانی و عملی جدال سے روکنا ہے۔

ان منفی باتوں کے بیان کے بعد مثبت اعمال کی طرف آتے ہیں۔ پورے حج کے سفر کو کثرت ذکر کے ساتھ آباد رکھنا۔ ذکر ایسا عمل ہے کہ قرآن و حدیث میں سب سے زیادہ اس کے فضائل آئے ہیں۔ ہر حال میں ذکر کرنے کی تاکید آئی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا (**الذین یذکرون اللہ قیاما و قعود**) یعنی اللہ کا ذکر کرنے والے کھڑے بیٹھے اور لیٹے۔ دراصل انسان کی یہی تین حالتیں ہیں۔ تو اس سے مراد ہر حال میں ذکر کرنا ہے۔ نیز **اذکر اللہ ذکرا کثیرا** فرما کر اس کی کثرت کی تاکید کی گئی ہے، باوضو بے وضو حتی کہ ناپاک حالت میں بھی ذکر ہو سکتا ہے۔ ہر عبادت کی کوئی حد اور تعداد مقرر فرمائی گئی ہے لیکن ذکر کی کوئی حد مقرر نہیں کی

گئی۔ذکر سے دل میں وہ روشنی اور نور پیدا ہوتا ہے جس سے سارے اعمال میں رونق پیدا ہوتی ہے، یہ سارے اعمال کی جان ہے اس کے بغیر باطن کی صفائی، باطن کا نور اور اخلاص کا حصول مشکل ہیں۔ حدودِ حرم میں ایک نیکی کا بدلہ ایک لاکھ نیکی ہے گویا آدمی ایک سونے اور ہیرے کی کان پر پہنچا ہوا ہے اور کھود کھود کر نکالنے کا محدود وقت ہے، جس کا ایک منٹ بھی ضائع ہونے سے عظیم نقصان اور خسران ہے۔ چنانچہ زبان کو تو ہر وقت ذکر میں ہلتے ہی رہنا چاہئے۔

دوسری بات کثرت نوافل ہے۔ تہجد، اشراق، چاشت، اوّابین، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، عصر و عشاء کی چار چار غیر مؤکدہ سنتیں، صلوٰۃ التسبیح، یہ چیزیں رحمت اور ثواب کے لحاظ سے لوٹ مار کے خزانے ہیں، اس سفر میں خوب لوٹ مار کرلے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بیت اللہ شریف پر ہر وقت ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں، جن میں سے چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں، بیس رحمتیں بیت اللہ شریف کو دیکھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں اس لیے ذکر اذکار کرتے ہوئے بیت اللہ شریف کو دیکھ دیکھ کر ان بیس رحمتوں سے استفادے کی نیت بھی ہونی چاہئے۔

تیسری بات کثرت تلاوت ہے۔ دوران نماز حالت قیام میں تلاوت کے ایک ایک حرف کا ثواب ایک سو نیکی ہے۔ بیٹھ کر نماز میں پچاس نیکی ہے، باوضو پڑھنے سے پچیس نیکی ہے اور بے وضو زبانی پڑھنے کی دس نیکیاں ہیں۔ جبکہ حرم شریف میں ایک نیکی کا بدلہ ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے اس لیے اس سفر میں کثرتِ تلاوت کی انتھک کوشش کرنی چاہئے۔

چوتھی بات کثرت دعا ہے۔ حجاج اور مجاہدین کو اللہ کا وفد ہونے کا اعزاز دیا گیا ہے اور یہ بشارت دی گئی ہے کہ وہ جو اللہ سے مانگتے ہیں عطا کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ مقدس مقامات کو قبولیت دعا کے ساتھ خاص مناسبت ہے چنانچہ پوری مسجد نبوی، اس کے استوانے، محراب و منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مواجہہ شریف قبولیت دعا کے خاص مقامات ہیں۔ مکہ میں مطاف، مقام ابراھیم، زمزم کا کنواں، صفا و مروہ کی پہاڑیاں، سعی کی جگہ، حطیم، میزاب رحمت، ملتزم اور بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑنے کے وقت نیز منیٰ، مزدلفہ، عرفات یہ ساری جگہیں دعا کی قبولیت کے مقامات ہیں۔ اپنے لیے اپنے خاندان اور دوستوں کے لیے اور ساری امت کے لیے خوب دل لگا کر دعا مانگنی چاہئے اور کچھ اوقات کو لمبی دعا مانگنے کے لیے فارغ رکھنا چاہئے۔ دعا کو **مخ العبادۃ** یعنی عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔ دعا کے دوران مکمل اور مسلسل دھیان الٰہی طاری رہتا ہے، اپنے فقر اور

عاجزی کا احساس ہوتا ہے۔ جب دعا کے ذریعے مسئلے حل ہوں تو اللہ تعالیٰ کی ذات ذوالجلال کے ساتھ وابستگی حاصل ہوتی ہے اور اعتماد کامل نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ دعا محض اپنے مسائل کے حل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ قرب اور معرفت کا ایک دروازہ ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس سفر میں دعاؤں کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

پانچویں بات مراقبہ ہے۔ جو لوگ تصوف کے تربیتی نظام سے گزرے ہوئے ہیں ان کی تو مراقبہ کی خاص تربیت ہے۔ عامی آدمی کو یوں سمجھ لینا چاہئے کہ مراقبہ دھیان جمانے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے احوال کا دھیان جمانا تو ہر کوئی کرسکتا ہے۔ یہ دھیان جما کے بیٹھنا کہ اللہ تعالیٰ حاضر ہے، ہمیں دیکھ رہا ہے، ہمارے ساتھ ہے، مراقبہ کہلاتا ہے۔ پانچ دس منٹ، پندرہ منٹ آدھا گھنٹہ اس کی مشق کر کے آدمی دیکھے تو عجیب حالات محسوس ہوں گے۔ یہ چیز باطن کی صفائی اور یقین کی پختگی میں خاص کردار ادا کرتی ہے۔

چھٹی بات خدمت خلق ہے۔ حج میں خدمت خلق کے بہت وسیع مواقع ہوتے ہیں۔ بیمار حاجیوں کی تیمارداری، ان کو ہسپتال تک لے جانا، بھولے بھٹکے حاجیوں کو جگہ تک پہنچانا، جن کے پاسپورٹ ٹکٹ وغیرہ گم ہوگئے ہوں ان کی مدد کرنا۔ کمزور اور ضعفاء کی سواری پر چڑھتے اترتے مدد کرنا، چلتے پھرتے ان کو سہارا دینا اس کے سنہری مواقع ہاتھ آتے ہیں۔ آدمی نوافل اور طواف کی مشقتوں سے تھکا تھکایا نکلتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ اپنی جگہ پر پہنچتے ہی چارپائی پر گر جائے اتنے میں سامنے سے کوئی بوڑھا مرد یا عورت آجاتی ہے اور فریاد کرتے ہیں کہ ہم سے اپنی جگہ گم ہو گئی ہے، اب اپنی تھکاوٹ اور آرام کو قربان کر کے ان کو جگہ تک پہنچانا نفس کو بہت گراں گزرتا ہے لیکن جو آدمی نفس کی خواہش کو کچل کر اس بات کو کر گزرتا ہے وہ کندن بنتا ہے اور اس کے لیے قرب الٰہی اور ولایت کے دروازے کھلتے ہیں

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

دراصل ہم لوگ حج میں بھی افسری، نوابی اور چودھراہٹ کے مزے لینا چاہتے ہیں اور اس بات کی ہماری قطعاً نیت نہیں ہوتی کہ میں گوں کی بھری ہوئی بوری اور بدبو اور تعفن کا لاشہ بھی تو آخر کبھی دوسروں کو سکھ پہنچانے کا سوچ لوں۔ صرف یہی بات ذہن میں نہ رکھے رکھوں کہ باقی لوگ ہی میرے آگے پیچھے ہوتے رہیں۔ ہائے افسوس جب تک اپنے آپ کو مٹائے گا نہیں تیرا حج کس کام کا۔

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہئے کہ دانا خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

حافظا گر بت شکستی خوش مباش خود پرستی کم تر از اصنام نیست

ترجمہ: اے حافظ اگر تو نے بت توڑ دیا ہے تو اس پر خوش مت ہو کیونکہ خود پرستی بتوں سے کم نہیں ہے۔

انجینئر قیصر علی

سفرنامۂ چین (قسط نمبر ۲)

یہ کہانی میرے خیالات میں گھوم رہی تھی کہ اتنے میں ایک سوٹڈ بوٹڈ آدمی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ کیا آپ چین جارہے ہیں؟ جی ہاں بیجنگ جارہا ہوں، میں نے جواب دیا۔ اُس نے کہا کہ میں بھی بیجنگ جاؤں گا۔ آیئے اوپر ہوٹل میں چلتے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر آرام سے باتیں کریں گے، اُس نے مزید کہا ۔ ہوٹل میں پہنچ کر مزید سوال جواب سے معلوم ہوا کہ آدمی کا نام امجد ہے اور داؤد گروپ آف انڈسٹریز کے مالک کا بیٹا ہے اور فیصل آباد میں ان کے کئی کارخانے ہیں۔ ہم باتیں کررہے تھے کہ اتنے میں بیس بائیس سال کا ایک نوجوان بھی ہماری میز پر آگیا۔ تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ میڈیکل (ڈاکٹری) کی تعلیم کے لئے چین جارہا ہے۔ اتنے میں کھانا بھی آگیا۔ 11:00 بجے تک کا وقت ہم نے باتیں کرتے کرتے یہیں گزارا۔ امجد صنعت کار نے مزید بتایا کہ آجکل چین کا کپڑا پوری دنیا میں خصوصاً پاکستان میں تھوک کے حساب سے آرہا ہے۔ کپڑا سستا اور اچھی کوالٹی کا ہے لیکن ہے صرف سردیوں کے استعمال کا کہ گرمیوں کے کپڑے میں چین ہمارے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتا۔ لیکن عنقریب گرمیوں کا کپڑا تیار کرنے میں بھی ہم سے نمبر لے جائے گا جسکی وجہ سے ہمارے کراچی کے اکثر کارخانے بند ہوجائیں گے۔ فیصل آباد میں ہم صرف گرمیوں کے لئے کاٹن کا کپڑا تیار کرتے ہیں، اس لئے ہمیں چین سے فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں۔ میں نے پوچھا کہ چین کا کپڑا اتنا سستا کیوں ہے؟ تو امجد نے کہا کہ چین میں ٹیکس نہ ہونے کے برابر ہے اور حکومت نے صنعتکاروں کو ہر ممکن سہولت دی ہے، بجلی بھی سستی ہے جسکی وجہ سے اُن کی مصنوعات ہمارے مقابلے میں سستی ہیں۔ میں نے پوچھا کیا ہماری حکومت اس سلسلے میں کچھ کررہی ہیں کیونکہ اگر کارخانے بند ہوئے تو اس سے نہ صرف لوگوں کا سرمایہ ڈوب جائے گا بلکہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد بھی بے روزگار ہوجائے گی۔ امجد نے کہا کہ حکومت ابھی تک کچھ نہیں کررہی۔ ہمارے ہاں ہمیشہ عین وقت آنے پر سیلاب کے سامنے پشتے باندھے جاتے ہیں۔ ابھی دیکھتے ہیں کہ آگے کیا ہوگا۔

میڈیکل کی تعلیم کیلئے جانے والے نوجوان سے میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کسی پرائیویٹ کالج میں داخلہ کیوں نہیں لیتے۔ اس نے بتایا کہ اُن کی فیس بہت زیادہ ہے اس لیے داخلہ لینا مشکل ہے۔ تھوڑا بہت میں نے اپنے بارے میں بتایا۔ ہم باتیں کرہی رہے تھے کہ اعلان ہوا کہ ٹوکیو اور بیجنگ جانے والے حضرات لاؤنج میں تشریف لے جائیں۔ سامان سے ہم پہلے ہی فارغ ہوچکے تھے۔ لاؤنج جاکر میں

تھوڑی دیر کیلئے نماز کیلئے بچھے ہوئے قالین پر لیٹ گیا۔ میں لیٹا ہوا تھا کہ 55-50 سال کی عمر کا ایک بھاری بھرکم آدمی میرے قریب آیا اور پشتو میں مجھ سے کہنے لگا مولانا صاحب کہاں جارہے ہو؟ میں نے لیٹے لیٹے جواب دیا، ''بیجنگ'' پھر خود ہی کہنے لگا میں ٹوکیو جارہا ہوں۔ باتوں باتوں میں اُس نے بتایا کہ میں ٹوکیو سے Spare Parts کے Container لاتا ہوں اور افغانستان کے بہانے لاکر واپس پشاور کی کارخانہ مارکیٹ میں بیچتا ہوں۔ اور پھر وہاں سے یہ مال پورے پاکستان میں پھیلتا ہے۔ میں نے پوچھا آپ کو ٹوکیو میں Spare Parts کس طرح مل جاتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ وہاں جو گاڑیاں تھوڑی سی خراب ہوجاتی ہیں اُن کو کباڑ میں بیچ دیا جاتا ہے۔ ہم اُنہی گاڑیوں سے یہ Parts نکالتے ہیں۔ (ہمارے ہاں جس سامان کو پشاور شعبہ بازار میں کابلی سامان کہا جاتا ہے۔ وہ دراصل یہی سامان ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں بہت ساری دوسری غیر قانونی چیزوں کی طرح آجکل کابلی سپیئر پارٹس کا کاروبار بھی عروج پر ہے۔) کافی دیر تک باتیں کرنے کرنے کے بعد وہ آدمی چلا گیا۔ اور میں لاؤنج میں موجود ایک کمپیوٹر پر اپنی Email چیک کرنے لگا۔ تقریباً 12:00 بجے اعلان ہوا کہ مسافر جہاز میں سوار ہونے کیلئے تشریف لائیں۔ ہم جہاز میں سوار ہوئے۔ اور تقریباً 12:45 پر جہاز نے اپنا سفر شروع کیا۔ میری سیٹ کے ایک طرف ایک جاپانی لڑکا تھا اور دوسری طرف ایک جاپانی نوجوان خاتون نیم برہنہ لباس میں بیٹھی تھی۔ جسکی وجہ سے میں بے حد پریشانی (Tension) میں تھا اور سوچ رہا تھا یا اللہ چھ گھنٹے کا سفر ہے یہ تو بڑا مشکل ہوجائے گا۔ تھوڑی دیر بعد پچھلی سیٹ سے امجد آیا اور مجھے اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگا کہ پیچھے دو سیٹیں خالی ہیں، وہاں آجاؤ۔ میں فوراً اُس کے ساتھ ہولیا وہاں جاکر بیٹھا تو اندازہ ہوا کہ یہ سگریٹ پینے والے لوگوں کے لئے مختص سیٹیں ہیں۔ میری تو مجبوری تھی ورنہ سگریٹ کے دھوئیں سے میری طبیعت بہت جلد خراب ہوجاتی ہے اور یہی ہوا۔ آہستہ آہستہ میری طبیعت خراب ہوتی گئی اور میرا باقی سفر بہت مشکل سے گزرا۔ آہستہ آہستہ ذکر کرتا رہا۔ ائر ہوسٹس کو بتادیا تھا کہ مجھے نماز کیلئے اُٹھادیں۔ تقریباً پاکستان کے وقت کے مطابق 6:30 بجے اور چین کے وقت کے مطابق 9:30 پر بیجنگ ائر پورٹ پہنچے۔

ائر پورٹ پہنچنے پر ہاتھ دھونے کیلئے واش بیسن میں لگے نلکے کو دائیں بائیں کی طرف سے دیکھا لیکن پانی چلانے کیلئے اُس میں کوئی ہینڈل یا کوئی بٹن وغیرہ نہیں تھا۔ صفائی کرنے والے لڑکے نے مجھے دیکھا تو بغیر کچھ کہے اپنے ہاتھ نلکے کے سامنے کئے اور پانی خود بخود بہنے لگا۔ میں نے بھی اسطرح کیا تو پانی بہنے لگا۔

جب ہاتھ دھولئے اور ہٹا دیئے تو پانی بہنا بند ہو گیا۔ بطور انجنیئر مجھے اندازہ ہوا کہ اس میں فوٹو سیلز لگے ہوں گے ۔جس میں شعائیں نکلتی ہیں، جب اُس کے سامنے کوئی چیز آتی ہے، تو اس کے ساتھ لگا ہوا والو خود بخود نکل جاتا ہے۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اپنا سامان وصول کرنے کیلئے گیا۔ کافی دیر گھومنے والی بیلٹ جس پر جہاز سے سامان آتا ہے، کو دیکھتا رہا لیکن میرا سامان نظر نہ آیا۔ پھر خیال آیا کہ میرا سامان کسی اور بیلٹ پر نہ آیا ہو کیونکہ بیک وقت کئی بیلٹ چل رہے تھے۔ آگے جا کر دیکھا تو میرا سامان دوسری بیلٹ پر آیا ہوا تھا۔ سامان وصول کرنے کے بعد باہر نکل آیا۔ دو پاکستانی جو اسی جہاز میں آئے تھے اور جنکو میں پہلے نہیں جانتا تھا باہر کھڑے تھے اور جو چینی میزبان ہمیں لینے آیا تھا وہ میرے نام کا ایک بڑا کارڈ اُٹھائے ہوئے میرا انتظار کر رہا تھا۔ اُن سے ملنے کے بعد ہم باہر نکلے۔ چینی لڑکے نے پہلے ایک ٹیکسی سے بات کی۔ اُس نے شاید پیسے زیادہ بتائے کیونکہ اُسکے بعد اُس نے ہمیں ایک بس میں سوار کیا۔ یہاں سے اندازہ ہوا کہ چینی اب بھی بچت کے سنہرے اصولوں پر عمل پیرا ہیں اور اس میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک سفر کرنے کے بعد ایک جگہ چینی لڑکے نے ہمیں اُترنے کا اشارہ کیا۔ ہم جیسے ہی گاڑی سے اُترے۔ گاڑی کے باہر تقریباً 15 ,20 نوجوان لڑکے لڑکیاں ہماری طرف دوڑے اور ہمارے ہاتھ میں کارڈ تھمانے لگے۔ انھوں نے ہماری جیبوں اور ہمارے بیگوں میں اپنے کارڈ ٹھونسے۔ یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ ہوٹل والوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں اور جتنے بندوں کو یہ ہوٹل لے جاتے ہیں اتنا اِن کا کمیشن ہوتا ہے۔ یہاں سے ہمیں ایک ٹیکسی میں سوار کیا گیا اور تقریباً آدھ گھنٹے میں ہم ایک 12 منزلہ عمارت کے سامنے جا کر اُتر گئے۔ چینی لڑکا سیدھا ہمیں دسویں فلور پر اپنے کمرے میں لے گیا۔ وہ دونوں پاکستانی اکھٹے کمرے میں تھے۔ جبکہ میرے ساتھ فلپائن کا لڑکا تھا۔ چینی لڑکے نے ہمیں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا کہ آپ نہا دھو کر تیار ہو جائیں کیونکہ لیکچرز آج شروع ہو چکے ہیں۔ اُس نے مزید بتایا کہ 12:00 بجے پہنچنا ہو گا۔ میں 12:00 بجے آپ لوگوں کو لینے آؤں گا۔ میں نے گھڑی پہلے ہی چینی وقت کے مطابق آگے کی ہوئی تھی۔ گھڑی میں 11:00 بج رہے تھے۔ میں نے سب سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھ لی۔ کپڑے تبدیل کئے۔ 12:00 بجنے سے تھوڑی دیر پہلے وہی لڑکا ہمیں لینے کے لئے پہنچ گیا۔ وہ ہمیں لے کر دوسری منزل پر واقع ایک ہال میں لے آیا۔ جہاں کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ میں جیسے ہی لفٹ سے باہر قدم رکھ کر ہال میں داخل ہوا تو ایک ناگوار بُو، جو بیجنگ ائر پورٹ سے بس میں بیٹھنے کے بعد میرے ساتھ ساتھ تھی، ایک دم اتنی تیز ہوئی کہ میرا سر چکرانے لگا۔ بڑی

مشکل سے اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کھانے کے ہال میں ایک طرف تین گول میز رکھے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے گرد تقریباً سات کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف سٹیل کی بنی ہوئی طشتریوں میں مختلف قسم کے کھانے رکھے ہوئے تھے۔ جن کے نیچے آگ جل رہی تھی۔ ایک میز پر شراب Cocacola اور Sprite کی بوتلیں اور گلاس پڑے ہوئے تھے۔ دو نوجوان لڑکیاں آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ اور کھانے کی پلیٹیں اور گلاس وغیرہ دینے میں مدد بھی کر رہی تھیں۔

میری نظر سب سے پہلے کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے لوگوں پر پڑی۔ دیکھا کہ مرد و خواتین ہنس ہنس کر اکھٹے کھانا کھا رہے تھے۔ ہال میں داخل ہونے کے بعد چینی لڑکا ہمیں سیدھا چینی کورآڈینٹر جو سارے انتظامات کا ذمہ دار تھا) کے پاس لے گیا۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی کھانا چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور خوش آمدید کہا۔ پھر کہنے لگا کہ آپ لوگ کھانا کھائیں۔ کھانا کھانے کے بعد آپ لوگوں کا تعارف باقی لوگوں سے کرایا جائے گا۔ کھانے کی پلیٹ اُٹھا کر میں نے جب طشتریوں پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ساگ، شلغم، کدو، گوبھی دو تین قسم کا گوشت اور ابلے ہوئے چاول پکے ہوئے ہیں۔ دو دیگچوں میں سُوپ (یخنی) قسم کی کوئی چیز تھی۔ بعد میں پتہ چلا کہ ایک میں دال سبزی اور دوسرے میں گوشت کی یخنی تھی۔ میں نے تھوڑے سے چاول اور سبزی ایک پلیٹ میں ڈالے۔ روٹی کہیں نظر نہ آئی۔ کھانے کی پلیٹ لے کر میں الگ تھلگ رکھی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ چینی کورآڈینٹر مجھے دیکھ کر میری کرسی کے قریب آ گیا اور کہنے لگا ''یہ کرسی خدمت کرنے والی لڑکیوں کی ہے، آپ میز پر آ جائیں''۔ میں بڑا شرمندہ ہوا اور مجبوراً میز پر بیٹھے مرد و خواتین کے حلقے میں داخل ہو کر بیٹھ گیا۔ سب لوگوں نے اپنی اپنی زبان میں مجھے شاید خوش آمدید کہا، ہنسے مسکرائے بھی لیکن میرے منہ سے باوجود کوشش کے کچھ نہ نکل سکا۔ خاموشی سے بیٹھ کر اپنی پلیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ چینی کورآڈینٹر نے میری پلیٹ پر نگاہ ڈالی۔ تو کہنے لگا آپ گوشت کیوں نہیں کھاتے۔ ہم نے آپ کے لئے مسلمانوں کا کھانا تیار کیا ہے اس میں خنزیر کا گوشت نہیں ہے۔ مجھے چینیوں کو یہ بات سمجھانے میں کئی دن لگے کہ ہم مسلمان صرف خاص جانوروں یعنی گائے وغیرہ کا گوشت کھاتے ہیں اور وہ بھی جب چھری سے ذبح کیا جائے اور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ بہرحال اُس وقت میں نے اُسے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ چاول منہ میں ڈالے تو بسیار کوشش کے بعد بھی حلق سے نہ اُترے۔ کیونکہ چاول اُبلے ہوئے اور بالکل خشک تھے میں پانی کی تلاش میں اُٹھ کھڑا ہوا سارے میز دیکھ لئے لیکن پانی نظر نہ آیا۔ مجبوراً Sprite کا ایک گلاس بھر کر لے آیا۔ پھر نوالہ حلق سے

اُتارنے کیلئے ایک گھونٹ Sprite پیا اور اس طرح تھوڑے بہت چاول کھا لئے۔ سبزی کھانے کی کوشش کی ،باقی لوگوں کو دیکھا تو دو ڈنڈوں (Chopstick) کی مدد سے کھا رہے ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن ایک مرتبہ بھی سبزی کا ٹکڑا منہ تک کامیابی سے نہ لے جاسکا۔ میں نے ادھر ادھر نگاہ کی تو یخنی کھانے والے چمچ نظر آئے۔ ایک چمچ اُٹھا کر اُس سے کھانے لگا۔ دو تین نوالے کھانے کے بعد اُٹھ کھڑا ہوا اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنے کمرے پہنچ گیا۔ طبیعت جو رات سے خراب تھی ،اس ناگوار بُو سے جو کھانے کے ہال میں تھی مزید خراب ہوگئی۔ کھانے کے بعد پیٹ میں درد بھی ہوا۔ بعد میں پتہ چلا کہ سب لوگوں سبزیوں کو (Half Boil) یعنی آدھا پکاتے ہیں اور ہم اس کو ہضم نہیں کر سکتے چونکہ لیکچر کے دوران 12:00 سے 2:00 تک وقفہ تھا۔ لہٰذ میں اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ میں سونے والا ہی تھا کہ میرا دوست (کمرے کا ساتھی) فلپائنی لڑکا دو میل اندر داخل ہوا۔ اُس سے تعارف ہوا۔ یہ لڑکا سول انجینئر تھا۔ فلپائن کے زلزلوں کے محکمہ میں ملازم تھا۔ عمر تقریباً 28 سال تھی اور اِس سے پہلے جاپان اور جرمنی میں بھی اسی قسم کے کورسز میں شرکت کر چکا تھا۔ شروع میں تو میں کافی پریشان ہوا کہ اس لڑکے کے ساتھ میرا گزارا کس طرح ہوگا۔ کیونکہ فلپائن کے لوگ عیاشی میں پوری دنیا میں مشہور ہیں۔ لیکن اس لڑکے نے ہر موقع پر میرا بے حد خیال کیا اور کسی طرح سے مجھے تنگ نہ کیا۔ چودہ دنوں میں صرف ایک یا دو مرتبہ اُس نے ٹی وی دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ بھی بہت مختصر وقت کیلئے۔ جب وہ دیکھتا کہ میں دلچسپی نہیں لے رہا تو بند کر دیتا اور مجھ سے اپنے ملک کے متعلق سوالات و جوابات کرتا۔ 1:30 بجے ہم اسی بلڈنگ میں چوتھی منزل پر موجود لیکچر روم میں چلے گئے۔ 2:00 بجے ہم تین پاکستانیوں کا تعارف باقی لوگوں سے ہوا۔ اس کے بعد لیکچر شروع ہوئے۔ شام 5:00 بجے لیکچر ختم ہوئے۔ سب سے پہلے میں نے انٹرنیٹ سے نمازوں اور سحری کے اوقات معلوم کئے اور باقی ساتھیوں کو بھی دے دیئے۔ چونکہ ہمیں جاگتے ہوئے 24 گھنٹے سے زیادہ ہوگئے تھے اس لئے سخت نیند آ رہی تھی۔ شام کا کھانا بھی دوپہر کی طرح جیسے تیسے کھا لیا اور عشاء کی نماز اوّل وقت میں پڑھ کر سوگیا۔ رات کو شدید پیاس لگی لیکن کہیں پانی نہ ملا۔ رات کے آخری پہر میں گردوں میں درد شروع ہوا۔ ایک عرصہ سے مجھے گردوں کی بیماری لاحق ہے لہٰذ تھوڑی سی پیاس لگنے پر بھی گردوں میں درد شروع ہو جاتا ہے، اس وجہ سے کل روزہ رکھنے کا ارادہ ترک کیا۔ صبح ناشتے کے لئے ڈائننگ ہال چلا گیا تو وہی بُو میرا استقبال کر رہی تھی۔ چائے کہیں نظر نہ آئی البتہ دودھ، قہوہ اور کافی کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ میں نے تھوڑی سی کافی اور چند بسکٹ لئے۔ کافی میں چینی بالکل نہیں تھی اور مجھے باوجود کوشش کے

وہاں کہیں بھی چینی نظر نہ آئی۔ خدمت پر مامور لڑکیوں سے پوچھنا فضول تھا کیونکہ اُن کو انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں آتا تھا۔ آج 5:00 بجے لیکچر ختم ہونے کے بعد اپنے دو پاکستانیوں سمیت پانی کی تلاش میں ہوٹل سے باہر نکلے۔ ہندوستان سے پرمود سری لنکا کا وکرمہ سوریا اور مقدونیہ کا ڈرگی Dragi بھی ہمارے ساتھ ہو لئے۔ کافی کوشش کے بعد ہمیں کھانے پینے کی دکان ملی۔ جہاں میں نے پانی کی چند بوتلیں اور کچھ بسکٹ لئے۔ ہم سب سے کوئی بھی دکان پر موجود چینی خاتون کو Sugar یعنی "چینی" نہ سمجھا سکا۔ لہٰذ چینی لئے بغیر واپس ہوئے۔ آج چینی کورآڈینیٹر کو بھی بتا دیا تھا کہ ہمیں چائے اور چینی چاہئیں اس لئے اگلے دن اُس نے ہمارے لئے چینی اور پانی کا بندوبست کیا۔ میں نے جب اُس سے کہا کہ ہمارے لئے پینے کے پانی کی بندوبست کریں۔ تو اُس نے جواب دیا کہ اوپر آپ کے کمروں کے قریب سٹیل کی ٹینکیوں میں پانی موجود ہے۔ میں نے کہا وہ تو گرم پانی ہے۔ تو اُس نے کہا ہاں ہم تو گرم پانی میں قہوہ کے پیکٹ ڈال کر پیتے ہیں۔ ٹھنڈا پانی یعنی عام پانی تو ہم بالکل نہیں پیتے اور آپ بھی نہ پیا کریں بیمار ہو جائیں گے۔ میں نے کہا نہیں ہمیں پانی ضرور چاہیئے۔ اس پر وہ روزانہ ہمیں پانی کی دو بوتلیں رات کے وقت دے جایا کرتی۔ چینی کا ایک بڑا پیکٹ جس میں چینی کے کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے (Cubes) تھے دیا۔ یہ انتظام ہونے کے بعد باقی روزے رکھ لئے۔ اس بات پر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ چودہ دنوں میں تقریباً ساری نمازیں اپنے وقت پر پڑھ لیں اور شروع کے دو دنوں کے علاوہ باقی سارے روزے رکھ لئے۔ پہلے دن مسئلہ درپیش ہوا کہ نمازیں پوری پڑھیں گے یا قصر میں نے حساب لگایا تو ہمارا کُل قیام چودہ دن اور 3 گھنٹے بنتا تھا جو کہ 15 دن سے کم تھا لہٰذا اپنے پورے قیام کے دوران قصر نمازیں پڑھیں۔

ہمارے لیکچرز کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہوتی تھی کہ صبح 8:30 بجے لیکچر شروع ہوتے 10:30 بجے پندرہ منٹ چائے کا وقفہ ہوتا پھر 12:00 تا 2:00 کھانے کا وقفہ ہوتا۔ 2:00 تا 4:30 پھر لیکچر۔ 4:30 چائے کا وقفہ اور پھر 6:00 بجے تک لیکچر ہوتے تھے۔ 6:00 تا 8:00 کھانے کا وقفہ ہوتا تھا۔ اور 8:00 تا 10:00 پھر لیکچرز یا کوئی اور پروگرام ہوتا۔ بہت Tough ٹائم ٹیبل تھا۔ 10:00 بجے بستر پر پہنچتے ہی ہم سو جاتے۔

لیکچر دینے کے لئے اکثر نامی گرامی چینی پروفیسر تھے۔ ایک پروفیسر Peter Borman جرمنی کا اور ایک امریکی پروفیسر E.Bergman بھی لیکچر دینے کیلئے آتے تھے۔ Tim Ahen ایک

اور امریکی پروفیسر تھا جو کہ ایک زلزلوں کے محکمہ اور اقوام متحدہ کے CTDT میں سیکرٹری جنرل کے عہدے پر کام کر رہا تھا۔ وہ بھی لیکچر دینے آیا تھا۔

میں روزوں کا بندوبست اس طرح کرتا کہ سحری میں ایک کپ کافی اور ساتھ چند بسکٹ کھا لیتا تھا۔ کافی تیار کرنا بہت آسان تھا۔ چین میں اکثر جگہوں پر سٹیل کی بنی ہوئی ٹنکیوں میں گرم اُبلتا ہوا پانی مل جاتا ہے، ہمارے کمروں کے قریب بھی ایسے کئی ٹنکیاں تھی۔ میں کافی کا ایک چھوٹا پیکٹ جس میں کافی کے ساتھ خشک دودھ ہوتا تھا کپ میں ڈال کر اوپر سے گرم پانی ڈال لیتا تھا اور کافی تیار ہو جاتی۔ چینی کے دو Cubes میں الگ اسے ڈال لیتا۔ افطاری کا وقت 5:00 بجے تھا۔ میں جیب میں بسکٹ وغیرہ رکھتا اور وقت ہونے پر لیکچر کے دوران بسکٹ اور کافی پی لیتا تھا۔ 6:00 بجے سخت بھوک لگتی تھی میں سیدھا ڈائننگ ہال پہنچتا اور تقریباً روزانہ ڈائننگ ہال میں داخل ہونے والا پہلا بندہ ہوتا۔ چند دن کھانے کی بہت تکلیف ہوئی کیونکہ ایک تو خشک چاول اور اُبلی ہوئی سبزیاں اور دوسری بُو جو کسی صورت مجھے چھوڑتی نہ تھی۔ اتنی زور کی بھوک لگنے کے باوجود ڈائننگ ہال میں داخل ہونے کے بعد بھوک اڑ جاتی تھی۔ لیکن چند دن بعد عادی ہو گئے بُو پھر بھی محسوس ہوتی تھی لیکن اتنی ناگوار نہیں ہوتی تھی۔ کھانے کا میں نے یہ بندوبست کیا کہ ایک تو باہر دکان سے ڈبوں میں بند Tuna Fish جو ایک خاص قسم کی مچھلی ہوتی ہے کے کئی ڈبے خرید لئے۔ یہ مچھلی Vegetable میں پکی ہوتی ہے اور اس کا تجربہ مجھے اپنی سعودی عرب میں قیام کے دوران ہو گیا تھا۔ لہٰذا باقی دنوں میں یہی میری خوراک رہی۔ چاول کے ساتھ ہم نے یہ کیا کہ چینی کورآڈینیٹر کو کہا کہ اس میں چند انڈے ڈال کر تیل میں تل دیں۔ اس نے باورچی کو سمجھا دیا اور پھر ہمیں تلے ہوئے چاول انڈوں سمیت ملنے لگے۔ اس کے علاوہ چینی کورآڈینیٹر نے ہمارے لئے مچھلی بھی مستقل طور پر کھانے میں شامل کر لی۔ لیکن اُسکا کھانا بھی ہمارے لئے بہت مشکل تھا کیونکہ یہ لوگ تیل یا گھی بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ مصالحہ اور مرچ تو بالکل استعمال نہیں کرتے صرف اُبال کر نمک ڈال کر کھاتے ہیں۔ اب اُبلی ہوئی مچھلی کو کوئی کیسے کھائے۔ باقی دو پاکستانیوں میں سے ایک محمد علی شاہ اپنے ساتھ احمد کمپنی کے بند خوراک کے ڈبے لایا تھا۔ جس کو وہ گرم پانی میں تھوڑی دیر رکھ کر گرم کر لیتے تھے اور پھر اپنی چاول کی پلیٹوں پر ڈال کر کھا لیتے تھے۔ مجھے بھی پیش کرتے لیکن اُس میں اتنی مرچیں ہوتیں کہ اُس سے بہتر میرے لئے چینی کھانے ہوتے تھے۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆

سلامِ مسنون

ہر مذہب اور قوم میں ملاقات کے وقت ایسے الفاظ کا استعمال مروج ہے کہ اصل مقصد اور گفتگو سے پہلے وہ لفظ استعمال کر لئے جاتے ہیں مثلاً نمستے، آداب، گڈ مورننگ، گڈ ایوی ننگ اور گڈ نون وغیرہ کثرت سے برتے جاتے ہیں۔ اسلام نے قرآنی زبان سے اوّلا متنبہ فرمایا۔

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتاً غَیْرَبُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَھْلِھَا.

''اے ایمان والو! تم اپنے (رہنے کے خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ گھر والوں سے اجازت لے لو اور ان کو سلام کہو۔''

اور فرمایا:

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَا اَوْ رُدُّوْھَا.

ترجمہ: اور جب دعا (یا سلام) دی جائے تم کو پس دعا یا سلام دو اس سے بہتر یا ویسے ہی لوٹا دو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی سلام کی تعبیر اسلام علیکم کے لفظ سے بیان فرمائی۔ اس لفظ کی تفسیر دو طرح پر کی گئی ہے۔ اوّل:۔ چونکہ اَلسَّلَامُ اسمائے الٰہیہ میں سے ہے اس بنا پر معنی یہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تم پر مطلع یا محافظ ہے۔

دوم:۔ سلام اسم ہے تسلیم سے بمعنی سلامت۔ اس صورت میں اس لفظ کے معنی یوں ہوں گے میری طرف سے تجھے بالکل سلامت عن الاذیّت وغیرہ ہے اور امید ہے کہ میں بھی تم سے سلامتی میں ہی رہوں گا۔ گویا اس حدیث کا مضمون ہے۔ **قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ** (فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مسلم وہ ہے کہ اہلِ اسلام اس کے ہاتھ اور زبان سے سلامت رہیں)

اس عملِ مسنون میں جو کہ اہلِ اسلام کا شعار خیال کیا جاتا ہے عام طور سے افراط وتفریط کا ظہور ہو رہا ہے۔ کہیں تو یہ حال ہے کہ ہر موقع پر سلام کہہ دیا جاتا ہے۔ جائز نا جائز تک کا خیال نہیں آتا۔ اور ایسی صورتیں بھی کثرت سے دیکھی جاتی ہیں کہ اسلام علیکم کہنے میں بخل سے کام لیا جاتا ہے۔ بڑوں کو سلام کہہ دیا چھوٹوں اور غریبوں کی پرواہ ہی نہ کی اور ایسے مواقع بھی دیکھے گئے ہیں کہ سلام تو ضرور کہا جاتا ہے، مگر صورت غلط۔ کبھی صرف اتنا ہی کہہ دیا سلام جی اور کبھی ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اکڑ گئے اور کبھی جھکتے ہوئے رکوع اور سجود میں پہنچے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہر ایک کا مفصل حکم عرضِ حدمت کر دیا جائے گا۔ مفصلہ ذیل احادیث مبارکہ کو

غور اور محبت سے مطالعہ فرمانے کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو حکم دیا کہ جاؤ ان لوگوں پر سلام کہو (اور وہ لوگ فرشتے تھے) اور پھر جو وہ ہدیہ دیں اس کو سنو اس لئے کہ یہ تمہارے اور تمہاری اولاد کا طریقہء سلام ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام تشریف لے گئے اور کہنے لگے۔ اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ فرشتوں نے جواب دیا۔ اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتوں نے ورحمتہ اللہ کا لفظ زیادہ کیا۔ الیٰ آخر الحدیث (مشکوٰۃ)

۲۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم س فرمایا کہ اسلام کی عادات میں سے بہتر کون سی خصلت ہے فرمایا کھلانا طعام کا اور سلام کہنا ہر آشنا اور بیگانہ کو۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں (۱) جب بیمار ہو تو اسکی بیمار پرسی کرے (۲) جب فوت ہو تو جنازہ میں حاضر ہو (۳) جب بلائے تو اجابت کرے (۴) جب ملے تو سلام کہے (۵) اور جب چھینک مارے تو یرحمک اللہ کہے (۶) اور اسکی خیر خواہی ملحوظ ہو خواہ روبرو ہو یا غائبانہ (مشکوٰۃ)

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنت میں اس وقت داخل ہو گے جبکہ مؤمن بنو اور مؤمن اس وقت بنو گے جبکہ آپس میں محبت رکھو کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب وہ کرو تو باہمی محبت کرنے لگو۔ آپس میں ''سلام'' کی عام اشاعت کرو (مشکوٰۃ)

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار پیادہ پر سلام کہے اور چلنے والا بیٹھنے والے پر اور تھوڑے بہتوں پر (مشکوٰۃ)

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صغیر کبیر کو سلام کہے اور گزرنے والا بیٹھنے والے پر، قلیل کثیر پر (مشکوٰۃ)

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام دیا (مشکوٰۃ)

۸۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر سلام کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیکم السلام فرمایا۔ وہ شخص بیٹھ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس (۱۰)۔ پھر ایک اور شخص آیا اور السلام علیکم ورحمتہ اللہ عرض کیا۔ (باقی صفحہ نمبر '۵' پر)